حقائق قرآنی کے اپنانے کا نام تصوف ہے
قرآنی نظریۂ حیات
ترجمان حقیقت صاحبزادہ محمد عمر صاحب مدظلہ
ادارۂ تصوف موہنی روڈ نظام بلڈنگ لاہور
بار اول
تعداد ۱۰۰۰
قیمت بارہ آنے

چند حقائق قرانیہ اشعار میں

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کیطرح تو خودبھی ہے محمل نشینوں میں

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس انکی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہ نارسا جسکے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں

محبت کے لئے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

سراپا حسن بنجاتا ہے جسکے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ما عرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

نمایاں ہو کے دکھلاوے کبھی انکو جمال اپنا
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں

اقبال

۱

حقائقِ قرآنی کے اپنانے کا نام تصوّف ہے

پس منظر

بعض دینی تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لئے اعتراض اور شبہات کے جو داراعدار تصوف پر کئے گئے ان سے متاثر ہو کر یہ چند اوراق خدمت دین تصور کرتے ہوئے لکھے گئے۔

امید ہے کہ ان اوراق کے پڑھنے سے خود بخود وہ شکوک و شبہات رفع ہو جاویں گے۔ جو بعض علمی حلقوں کی طرف سے اعتراز تصوف پر کئے گئے اور یہ حقیقت واضح ہو جاوے گی۔ کہ تصوف اسلام کے حال و قال کے مجموعے کا نام ہے اور کہ تصوف روحِ اسلام ہے۔ اور اس کی بنیاد کتاب و سنت کے سوا کچھ نہیں۔ اور کہ اس کی زندگی اسلام کی زندگی ہے اور اس کی موت اسلام کی موت۔ کیوں کہ کوئی جسم بلا جان زندہ نہیں رہ سکتا۔

توحید و رسالت جو اصل سرمایۂ دین ہے۔ اس کی تکمیل ہی اوّلین مقصدِ تصوّف ہے اور بس حقیقی صوفی رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا عکس ہوتا ہے اور رسالت کی نیابت کے تمام فرائض ادا کرتا ہے۔ اس مقالہ کے پانچ حصے ہیں۔

(۱) قرآنی نظریۂ حیات (۲) خانقاہی تصوف کا پورا خاکہ صحیفۂ قرآنی میں (۳) طریقت کی حقیقت (قرآنی آیات میں) (۴) درس تصوّف کا ایک عملی سبق سورۂ مزمل میں (۵) قرآن اور تصوّف

"دنیا فانی" تصوّف کا پہلا عقیدہ توحید کے بعد ہے۔ جس پر تصوّف کا مدار حقیقی ہے اور ہر مذہب کے اندر موجود ہے چنانچہ قرآن حکیم نے بھی اس عقیدہ یا نظریہ کو کئی بار مختلف طریقوں سے جاگتی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

لیکن آج اس نظریہ کو پیش کرنے کی جرأت کسی کو نہیں۔ کیونکہ مادی دنیا کا غلبہ اتنا ہو گیا کہ روحانیت کا کوئی نظریہ پیش کرنا ساری سوتی دنیا سے مقابلہ کرنا ہے۔ جو کسی کی ہمت نہیں۔ اس لئے ہم نے سب سے پہلے یہ پیش کرنے کی جرأت کی۔

اس سے پہلے خانقاہی تصوّف پر جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ علم دوست حضرات سے پوشیدہ نہیں ؏ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" اور تصوّف کے اقدار کو خصوصاً خلوت پسندانہ طریقہ کو نہایت ناموزوں الفاظ سے دہرایا جاتا ہے تاکہ دلوں میں نفرت پیدا ہو اور اسلام سے بیگانہ تصوّف کو خیال کیا جائے! امید ہے کہ آپ ہر نظریہ کو پوری توجہ سے مطالعہ فرمائیں گے اور پورے غور سے فیصلہ دیں گے کہ تصوّف جانِ اسلام ہے یا کچھ اور۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی نظریہ حیات

ایک آیت اور اس کی تشریح و توضیح :-

	آیت	ترجمہ
۱	پارہ ۲۷ حدید ۵۷ آیت ۱۹ اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد	یقین کرو کہ یہ زندگانی دنیا کی کھیل اور دل بہلانا ہے و بناؤ کرنا ہے اور بڑائی کرنی ہے آپس میں اور زیادتی کرنی ہے بیچ مال اور اولاد کے۔
۲	کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فترٰہ مصفرا ثم یکون حطاما	مانند مینہ کے کہ خوش لگتا ہے کھیتی کرنے والوں کو اگنا اس کا پھر زور سے اگتی ہے پس دیکھتا ہے تو اس کو زرد پھر ہو جاتی ہے ریزہ ریزہ
۳	وفی الاٰخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان	اور بیچ آخرت کے عذاب ہے سخت اور بخشش ہے اللہ کی طرف سے
۴	وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور	اور رضا مندی اور نہیں زندگی دنیا کی مگر فائدہ فریب کا (شاہ رفیع الدین)

نوٹ: شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ کا ترجمہ فرماتے ہیں اور پچھلے گھر میں سخت مار ہے اور معافی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کا جینا تو یہی ہے جنس دغا کی

دوسرا ترجمہ از مولٰینا نذیر احمد

(لوگو!) جانے رہو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا اور ظاہری طمطراق اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر مال اور اولاد کا خواستگار ہونا (بس یہی کچھ) ہے (دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی مثال ہے کہ (زمین پر برستا ہے کہ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور) کاشتکار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں کرنے لگتے ہیں پھر (آخر کار) روندان میں آجاتی ہے (غرض دنیا کی زندگی چند روزہ رونق ہے) اور آخرت میں دنیا کی زندگی کے دو انجام ہیں بعض کو) عذاب سخت اور (بعض کو) خدا کی طرف سے (گناہوں کی) معافی اور خوشنودی اور دنیا کی زندگی تو نرے دھوکے کی ٹٹی ہے

تمہید (۱) جب سے کائنات عالم میں انسان آیا اور اسے اپنا شعور دیا گیا۔ اس کی فطرت کی پیاس کسی دوسری ہستی مطلق کی طرف رہی اور جب کبھی دنیاوی الائشوں سے اسے تنگی پہنچی اور مایوسی ہوئی تو وہ اس ہستی مطلق کی طرف متوجہ ہو کر اپنے مصائب اور تکالیف کے دور کرنے کے لئے عاجزانہ ہاتھ بڑھاتا رہا۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔

(۲) الغرض جس طرح ہستی مطلق (پروردگار عالم) کا فطرتی جذبہ انسانی ذہن و قلب میں ودیعت رکھا گیا بعینہ اسی طرح کبھی بھی کوئی دور اس دنیا میں نہیں آیا جس میں نوع انسان نے اپنی زندگی اسی دنیاوی زندگی تک محدود خیال کی ہو۔ بلکہ پیدائش انسان سے تا ایں وقت کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب دنیا نے اس نظریہ فطرتی کو کلی طور پر بھلا دیا ہو۔ بلکہ ہر دور میں بلند ذہنیت رکھنے والے پاک انسان اپنے خالق حقیقی

کو اس وسیع زندگی کے آثار اور نشانات پیش کر کے اس کے وسیع، لامحدود ہونے کا تخیل پیدا کرتے رہے۔

(۳) خود ہستی مطلق (پروردگار عالم) کا فطرتی عقیدہ ہی صرف دنیاوی زندگی کا محدود نظریہ ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیاوی کھیل۔ صرف دنیاوی کھیل ہستی مطلق (پروردگار عالم) کے عقیدہ کو تباہ کر دیتا ہے اس لئے کہ حکیم مطلق کا یہ بڑا کھیل (کائنات) سراسر عبث اور بیکار بن جاتا ہے۔ جو اس ذات اقدس کے ذات وصفات کے بالکل برخلاف ہے۔

(۴) تمام انبیاء و رُسل اور تمام حکماء و فلاسفر جب سے دنیا قائم ہوئی۔ اس نظریہ زندگی وسیع پر آئے۔ اور اپنے وقت کی امتوں کو اور لوگوں کو اپنی وسیع زندگی کی بنیاد پر تمام مسائل زندگی کے حل پیش کرتے رہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ابتداً یہ خاکہ مجمل تھا جوں جوں دنیا ترقی کرتی گئی یہ نظریۂ وسیع زندگی بھی اجمال سے تفصیل میں آتا گیا۔ یہاں تک کہ یہود کہنے لگے لن تمسنا النار الا ایاما معدودات (ہمیں چند ہی روز آگ چھوئے گی)

(۵) تمام ادیان کا نچوڑ یعنی اسلام جب دنیا میں آیا تو قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظریۂ زندگی وسیع کو پوری تفصیل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا اور حیوٰۃ دنیا اور حیوٰۃ آخرت میں اس زندگی وسیع کو تقسیم کیا گیا اور ان دونوں حصوں کے الگ الگ آثار اور علاماتِ فطرتی سامنے کر دیئے گئے۔ آیت زیر نظر بھی اسی قسم کی ایک تفصیل ہے

(۶) سورۃ حدید کو توحید سے شروع کیا گیا اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی مجمل دعوت اور اس کے بعد "انفاق فی سبیل اللہ"[1] (اللہ کے لئے خرچ کرو) کی دعوت دی

---

[1] نوٹ:۔ دعوت اسلامی کا یہ ایک بھاری رکن ہے جو دعوت کے مالی مشکلات کا کل حل ہے۔

گئی ہے جس کے ضمن میں کئی بڑے مسائل اس کے مؤثر اور ضروری بنانے میں آ گئے ہیں اسی ذیل میں ہماری پیشِ نظر آیت بھی آئی ہے اور اس کی تمہید میں ایک اور آیت پہلے فرمائی گئی اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ہماری آیت پیشِ نظر کا شروع بھی اِعْلَمُوْا سے کیا گیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت اس آیت کے حکم کو عقلی طور پر تسلیم کرانے کے لئے آئی کہ یہ نظریہ حیات وسیع کوئی اجنبی بات نہیں جب زمین کو اللہ تعالےٰ مرنے کے بعد زندگی بخش سکتا ہے تو اشرف المخلوقات انسان کی زندگی کیوں صرف اسی دنیاوی زندگی تک محدود رکھی جائے بلکہ کیوں نہ اسے لامحدود زندگی عنایت ہو۔ خود انسان بذاتہ اپنی اس محدود دنیاوی زندگی کو پسند کیسے کرتا ہے جب کہ اسے شعور دیا گیا۔ کیوں کہ شعور و عقل کسی صورت میں بھی اپنی ہستی کے فنا ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ حیوانات اور دیگر اشیائے کائنات سے جس طرح صفاتِ عالیہ میں انسان کو امتیاز دیا گیا اسی طرح اس کی زندگی بھی عام حیوانات کی زندگی سے ممتاز فرمائی گئی۔ وہ دنیا میں آئے اور دنیا میں ہی ختم ہو گئے۔ لیکن حضرتِ انسان اس دنیاوی زندگی میں ان سے کام لیتا رہا۔ اور جب یہ ختم ہو گئے تو اس آخرت کی زندگی میں خود چل بسا اور آخرت کی زندگی میں اپنے اعمال و افکار کے ثمر اور پھل کھانے شروع کر دیئے جو کبھی ختم نہ ہوں گے اور نہ خود کبھی ختم ہو گا۔

(۷) دنیا مادیات میں اپنی آخری سرحد تک جا پہنچی اور اپنی تمام زندگی کا مدار مادیات پر رکھا ہے۔ روحانیت یا ہستی مطلق کی طرف عملاً کوئی توجہ نہیں رہی تاہم بالا تر دو کہا جا سکتا ہے کہ ابھی دنیا کے تین چوتھائی انسان ہستی مطلق کے تصور سے خالی نہیں اور نہ آخرت کی زندگی سے منکر ہوئے گو عملاً لاپرواہی ہے۔ جو قومیں مردوں کو دفن کرتی ہیں وہ تو

پوری طرح ابھی تک رواج و رسوم کی پابند چلی آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک عقیدۂ فطرت سے خالی نہیں ہوئیں بلکہ وہ قومیں جو جلاتی ہیں یا پرندوں سے نچواتی ہیں وہ بھی آواگون اور تناسخ کی قائل برابر چلی آتی ہیں اور روح کے لئے فنا مطلق تصور نہیں کرتیں ہاں کم شعور لوگ اور جاہل و غافل قومیں اگر اس نظریہ آخرت سے غافل ہو بیٹھی بھی ہوں تو ان کا کیا اعتبار بہرصورت فیصلہ تو عام ذہنیت انسانی پر ہونا لازم ہے۔

تشریح مطالب آیت

(۱) آسانی کے لئے آیت کے چار حصے کر دیئے گئے (۱) کو ابھی چھوڑا جاتا ہے ۲ میں حیات دنیا کی فطرتی تصویر سامنے پیش کی گئی ہے۔ اس کے تین حصے کر دیئے گئے پہلا حصہ لعب و لہو کا دوسرا زینت اور تفاخر کا تیسرا مال اولاد کی زیادتی کا۔ بچپن میں کھیل کود ہی ہوتی ہے اور جب ذرا ہوش زیادہ ہوئی لہو کا زمانہ آگیا اور تماشوں میلے ٹھیلے۔ تفریحات سینما۔ ناٹک ایسی وقت بسر ہونے لگا۔ اس کے بعد پوری جوانی مستانی شروع ہوئی تو تمام وقت بناؤ سنگار میں گزرنے لگا۔ اور جب یہ درجہ مکمل ہو گیا تو پھر طبیعت اپنے ہمسروں اور ہم عمروں میں اترانے پر آگئی اور اس کے سوا کوئی خیال نہ رہا لیکن پھر جوں جوں عمر ڈھلنے لگی اور کہولت کے دروازہ پر آگئی تو پھر اولاد کی فکر لاحق ہوگئی کہ اللہ تعالے بچے دے اور جب بچے آگئے تو مال کی کثرت (زیادتی) پر حریص ہو بیٹھے کہ ساری دنیا ہماری ہو جائے تا آنکہ آخر موت آگئی۔

مولی کریم نے کتنا صحیح اور واضح نقشہ انسان کی دنیاوی زندگی کا پیش فرمایا لیکن ہمارے ذہن کو اور صاف کرنے کے لئے ایک اور مثال بھی پیش کر دی تاکہ اصل حقیقت سامنے آ جائے کہ یہ زندگی کیا ہے؟

مثال:۔ یہ زندگی ایسی ہے جیسے مینہ برسے اور کھیتی اُگے اور وہ کاشت کار کو بہت ہی بھلی معلوم ہو لیکن کچھ مدّت کے بعد خشک ہونے لگ جائے اور زرد پڑنے لگ جائے اور پھر بھُس ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔ یعنی بچپن، جوانی اور ادھیڑپن کے تین مرحلے ختم کر کے دنیا سے نابود ہو جاتا ہے۔

بھلا کسے یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے یہ تین مراحل ختم ہونے کے بعد انسان اس دنیاوی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کو بطور مقدمہ اول مولیٰ کریم نے پیش فرمایا

(۲) اب دوسرا مقدمہ ہے و فی الاخرۃ عذاب شدید و مغفرۃ من اللہ و رضوان پیش کیا جاتا ہے کہ اس حصّہ زندگی دنیاوی کی حقیقت تو وہ تھی جو بتلا دی گئی۔ اب دوسرے حصّہ زندگی میں یا تو سخت مار ہے یا اللہ تعالیٰ کی بخشش و کرم نوازی اور سراسر مہربانی۔

یہ حصّہ زندگی پہلے حصّہ دنیاوی زندگی کی طرح ہمارے سامنے نہیں لیکن جب اس حصّہ زندگی کو ہماری فطرت سلیمہ تسلیم کرتی ہے تو لامحالہ یہ بھی سامنے آجاتا ہے کہ اس حصّہ میں تمام کا ایک جیسے حال ہونا ناممکن ہے کیونکہ دنیاوی زندگی جب ایک جیسی نہیں تھی تو کیونکر یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام کی یہ زندگی آخرت ایک جیسی ہو۔ جب کہ ہماری عقل و فطرت تسلیم کرتی ہے اس آخری زندگی کا مدار پہلی دنیاوی زندگی پر ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی کا عام تصور اسی زندگی کے لئے مشہور ہے۔

(۳) ان دونوں مقدمات کے بعد فرماتے ہیں وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور حیاتی دنیا کی دھوکے کی ٹٹی ہے اور یہ نتیجہ ان مقدمات کا ہے جو پہلے بیان ہوئے کہ دنیا ایسی ہے اور آخرت ایسی تو پھر لامحالہ یہ تمام سامان دنیا ایک دھوکے

کے سوا کچھ نہیں۔ ایک طرف کھیل کود، زینت و تفاخر (بڑائی) اولاد و مال کی کثرت کی زندگی۔ دوسری طرف دوسری زندگی میں پوچھ (سوال و دریافت) اور عذاب یا مہربانی تو پھر کیونکر فطرت کا یہ فیصلہ نہ ہو۔ پہلی زندگی کے ساز و سامان ایک گونہ فریب دہندہ تھے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا اور خطاب اِعْلَمُوْا سے فرمایا۔

(۴) اِعْلَمُوْا علم سے ہے اور علم کے معنے جاننے کے ہیں لیکن کسی چیز کو جان لیا جاتا ہے تو اس سے ایک گونہ یقین پیدا ہو جاتا ہے اس اعلمو کے معنے بھی یقین کر و سمجھو کے ہیں قرآن حکیم کی بلاغت ہے کہ اس کے لئے بلیغانہ طریقہ تعین فرماتا ہے چنانچہ پہلی آیت میں فرماتے ہیں کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مومنین کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر (اور تلاوت قرآنی) کے لئے جھک جائیں (اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ پھر زمین کے مردہ ہونے اور زندہ ہونے کی مثال فرماتے ہیں اور اس کے بعد ہماری آیت پیش کردہ اعلموا سے خطاب فرمایا جاتا ہے تاکہ دلوں کے اندر یہ حقیقت ایک عقیدہ ہو کر بیٹھ جائے عقیدہ عقد سے اور عقد گانٹھ اور گرہ لگانے کو کہتے ہیں جو خیال ایک مضبوط حیثیت دل و دماغ پر مسلط ہو جائے اسے عقیدہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ مسلمان عقیدہ اور عقائد کے الفاظ اصطلاحی اپنے دین کے عقائد کے بارے استعمال کرتے ہیں لیکن اندر کچھ نہیں نہ دل کے اندر اس عقیدہ کی بات کچھ ہوتا ہے نہ ذہن کے اندر۔ یہی خرابی ہمارے دین و ایمان کو کھا رہی ہے بہر صورت عقائد اولیہ توحید و رسالت اور آخرت کے بعد یہ عقیدہ کہ دنیا کے ساز و سامان ایک دھوکہ سے بڑھ کر نہیں ایک زندہ دل صحیح الفطرت مسلمان کے لئے خود بخود پیدا

نشان باقی نہیں جیسے درخت کے پتے گرتے ہیں اور خاک ہو کر اُڑ جاتے ہیں ایسے ہی وہ بیٹے اور نابود ہو کر رہ گئے۔ ع نہ نامے ماند از یشاں نے نشانے۔ تاریخِ عالم میں ان کے لیے ایک نقطہ بھی نہیں نہ کسی کے ذہن میں کوئی یاد کا نشان بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اس دنیا سے بڑھ کر اپنے دنیاوی ساز و سامان سے نکل کر بلند اور وسیع نظریۂ زندگی کے ماتحت بلند کردار اور اعمال کیے وہ صرف آخرت کی زندگی میں بازی نہیں لے گئے بلکہ اس دنیا میں ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" کے مطابق اپنا نام درخشندہ چھوڑ گئے اور روزِ آخرت تو وہ مزے اُٹھا رہے ہیں، جن کی طرف ہمارے ذہن بھی نہیں جاتے۔

ان آیات کے سوا قرآنِ حکیم میں بہت کچھ مواد اس بارے میں موجود ہے۔ کہ دنیا کے ساز و سامان دھوکا ہیں ان کو ذکر نہیں کیا جاتا کہ ناظرین پریشان نہ ہوں ورنہ قرآنِ حکیم نے اس مسئلہ اور اس حقیقت کو بے نقاب کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ صاحبِ بصیرت قرآن حکیم پڑھنے والے اور اس میں تدبر کرنے والے اس حقیقت بلند سے بے خبر نہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بلند نظریہ زندگی کا بہترین حل ہے۔ قرآن حکیم نہیں بلکہ تمام مذاہب کا متفقہ فیصلہ اور تمام حکماء و فلسفی دنیا کا متحدہ فکر یہی ہے کہ دنیاوی ساز و سامان پر قانع رہنا انسانی موت ہے اور بس۔

توضیح و مطالب

(۱) انسان دنیائے عالم میں اس وقت آیا جب روح و قالب اکٹھے ہوئے ورنہ روح پہلے بھی تھی اور بعد میں بھی رہے گی روح کی حالت میں اُسے کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی نہ عیش و عشرت کی یہ تمام ضروریات لازمۂ قالب ہیں۔ اور جب قالب ختم ہو گا تو یہ اشیاء بھی اس کے ساتھ ختم ہو جائیں گی اگر انسان اپنا فکر عمر بھر اس میں لڑائے رکھے گا تو قالب کے فنا پر اس کی یہ فکر

بھی فنا ہو جائے گی اور دوسری دنیا میں اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور یہی عذاب روح ہے اور مار۔ جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ اگر اس کے فکر میں کچھ اور ہے جو قالب وجسم کے ساتھ فنا نہیں ہوا تو وہ فکر اس کی روشنی ہو گی نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (اُن کا نور اُن کے آگے آگے چلے گا) اور وہ روشنی ہمیشہ ہمیشہ روح کے ساتھ رہے گی۔

(ج) جس طرح انسان کے اندر دو زندگیاں ہیں ایک جسم کی اور ایک روح کی اور بیک وقت دونوں زندگیوں کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ روح بغیر قالب کے نظر نہیں آتی اور قالب بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا جسم بغیر روح چلتا پھرتا نہیں اور روح بغیر جسم کے اپنے اثرات نہیں دکھا سکتی۔ ایسے ہی زندگی کے اندر دو زندگیاں ہیں ایک زندگی جسم کی اور ایک روح کی۔ جسمی زندگی کے لئے مادی اشیاء کی ضرورت ہے اور روحانی تازگی کے لئے روحانی افکار کی جن سے اعمال صالحہ (یعنی روح عمل پیدا ہوتی ہے) کی ضرورت ہوتی ہے کوئی روح بلا فکر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر انسان جسمی زندگی تک ہی اپنے افکار محدود کرے گا۔ تو اس روحی زندگی کے لئے کچھ اثاثہ نہ ہو گا کیونکہ جو کچھ پیدا کرتا ہے اسی مجموعی زندگی میں پیدا کرتا ہے۔ جب روح اور جسم اکٹھے ہوں گے ورنہ اکیلی روح کچھ نہیں کر سکتی جیسے آنے سے پہلے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے قرآنِ حکیم انسانی بصیرت کو بار بار دعوت دیتا ہے کہ کہیں جسم اور جسمانیت کے لوازمات میں اپنی حقیقی زندگی کے لوازمات سے بے فکر نہ ہو جانا ورنہ تمام زندگی کا گھاٹا پیش آجائے گا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سنتے ہیں اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ کہ زندگی جسمانی کے ساتھ زندگی اُخروی کے لئے بھی

سامان پیدا کرنا کیونکہ ظاہری زندگی کے لوازمات اور ہیں اور روحانی زندگی یا اخروی زندگی کے لوازمات اور یہاں خواہشات سے زندگی بنتی ہے، وہاں خواہشات کے ترک کرنے سے مراتب عُلیا ملتے ہیں۔

نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى جس نے نفس کو خواہشات سے روکا، تو اس کی جگہ جنت ہے۔ دنیا باطل نہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۝ اور دنیا کا قیام نیکی سے ہے اور بدی دنیا کو تباہ کرتی ہے۔ گناہ وہ ہے جو دنیاوی زندگی میں خرابی پیدا کرے اور نیکی وہ جو دنیاوی زندگی کی اصلاح کرے اور امن وامان کے قیام میں مدد دے۔ زنا۔ چوری وغیرہ کیوں گناہ ہیں؟ اس لئے کہ وہ معاشرہ زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ تقویٰ، اخلاص، عدل وانصاف کیوں نیکیاں ہیں صرف اس لئے کہ معاشرہ انسانی کو زندگی دیتی ہیں اور اعمال صالحہ قرآنی اصطلاح میں کہلاتی ہیں۔

تکبر اور حرص تمام گناہوں کی جڑ ہے ان سے جو خرابیاں معاشرہ میں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ یعنی اور کئی گناہ ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ خدائے قدوس نے ان کی جڑ اکھاڑنے کے لئے اخلاص وتقویٰ کو جو تمام نیکیوں کی اصل اور راس المال ہے اس کے پیدا فرمانے کے لئے انسانی فکر کے سامنے ایک حقیقت فطرتی پیش فرما کر انسانی دنیا کو متنبہ کیا ہے کہ دنیا کے سازوسامان جن کو اللہ تعالےٰ نے پہلے بیان فرمایا دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

افادیّت نظریّہ حیات قرآنی:۔ عقیدہ توحید ورسالت اور آخرت کے بعد اس نظریہ حیات اسلامی نے انفرادی اور اجتماعی طور پر انسانی افکار کو اتنا بلند کیا کہ ان کے اپنانے والوں کی سیرتیں اعلےٰ

معیار زندگی پر پہنچ گئیں اور کھانے پینے سے بڑھ کر زیب و زینت سے نکل کر مال و اولاد کے دھندوں سے نجات پا کر خالق حقیقی کے خالص بندے ہو گئے اور قوم و ملت کے لئے ان کی زندگیاں وقف ہو گئیں صرف اپنی قوم کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کی رہبری کا علم ان کے ہاتھ آ گیا اور وہ صرف جہانگیر نہ رہے بلکہ جہاندار اور جہانبان ہو کر دنیا میں آفتاب سے بڑھ کر روشن اور درخشاں ہوئے۔ جن کی زندگیاں آج بھی ہماری ہدایت اور ہماری رہبری کا باعث ہیں اور دنیا ان کے نام کو آج بھی جپتی ہے۔

صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ رضوان اللہ علیہم کیا تھے اور ان کا علم کیا تھا صرف مسلمان تھے اور پکے مسلمان اقرار زبان کا نہ تھا بلکہ دل کا، صرف اعمال نہ تھے بلکہ اعمال کے اندر افکار بلند کی روح ہر وقت رواں رہتی تھی۔ جس کے لئے اعمال بے جان نہ تھے بلکہ جاندار ان کے ہر عمل میں زندگی تھی اور روح، ان کا ہر عمل تاثر سے پر تھا۔ ان کے چہرے بشرے الٰہی رنگ (صبغۃ اللہ) میں تاباں رہتے تھے۔ ہر دیکھنے والے کی آنکھ جھک جاتی اور سامنے آنے والے کا سر خم ہو جاتا۔ کیوں؟ وہ دنیا کو اور اس کے ساز و سامان کو ہیچ سمجھتے تھے۔

اسلام وہی ہے اور مسلمان دیکھنے میں عقائد کے پابند شکل و صورت میں بھی مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی بھی رسم جاری ہے۔ لیکن تمام اعمال کے اندر اتنی روح بھی نہیں کہ کسی دیکھنے والے پر ذرہ بھی اثر ہو جائے۔ بلکہ آج پوری دنیا مسلمان کی عقل و فکر اور مسلمان کے اعمال و افکار پر ہنسی اڑاتی ہے —— کیوں؟ افکار بلند سے مسلمان خالی ہو گیا۔ پیٹ کے دھندوں میں پھنس گیا زیب و زینت اور تفاخر میں پڑ گیا

مال و دولت کا حریص ہو گیا۔ زبان پر کلمہ ہے لیکن دل میں ہوا پرستی ہے ؎

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرما گئے ہیں ایسے حال میں لوگ اسلام سے اور مسلمانوں سے متنفر نہ ہوں تو کیوں نہ ہوں؟ لیکن بے چارہ مسلمان ہے تو اس ذلت میں اگر سب کچھ بھول گیا، خدائی تعلیم پس پشت ڈال کر نفس و خواہشات کا غلام ہو گیا ؎

ہر زماں اندر تلاشِ ساز و برگ — فکرِ او فکرِ معاش و ترس مرگ (اقبال)

اور اس نظریہ بلند حیات کی کئی نئی تعبیریں کرنے لگا۔ اور دنیا پرستی کے لئے تاویلات کے ڈھیر پیدا کر دیئے تاکہ پیٹ پوجا ہو سبحان اللہ جب پیٹ کی فکر نہ تھی تو جہانگیری اور جہانداری تک پہنچے لیکن جب پیٹ پر آئے تو جہانگیری، جہانبانی تو کجا؟ پیٹ سے بھی بھوکے رہنے لگے سو آج مسلمان من حیث القوم سارے کے سارے اسی پیٹ کے فکر میں گھلے جاتے ہیں اور اللہ کریم کی رزاقی کو بالکل بھول گئے اس نے تو فرمایا تھا وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ہر جانور کا رزق یعنی کھانا پینا اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر ہے گاؤں چھوڑ ضلع بھر میں بھی ایک ایسا مسلمان مل جائے جس کے عقائد زندہ ہوں اور جس کی روح مسلمان ہو تو غنیمت جانیئے اور اس کی زیارت کیجئے اقبال کہتے ہیں ؎

اگر گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

یہ کیا تھوڑی مشکل ہے کہ تمام دنیا سے ٹکر یعنی عقائد و افکار کی۔ اعمال و اخلاق کی یہ ٹکر وہی لے سکتا ہے ؎

آہ قومے دل ز حق پرداختہ — مُرد و مرگِ خویش را نشناختہ

ہر زماں اندر تلاشِ ساز و برگ — فکرِ او فکرِ معاش و ترس مرگ

(اقبالؒ)

جس نے دنیا کو پس پشت ڈال دیا ہو اور دنیا کی ہر چیز کو حقیر جانتا ہو اور اپنی ہر خواہش کو دبائے ہوئے ہو اور صرف حق کی رضا جوئی کے سوا کچھ مطلب نہ ہو۔

قرونِ اولیٰ میں مسلمان اپنے عقائد کی پختگی کی وجہ سے کسی دلیلِ عقلی کے ادھیڑ بن میں الجھانہ تھا اور صرف اپنی دینی روشنی کی وجہ سے یک سو ہو کر اپنی روش پر قائم تھا۔ لیکن آج عقائد و افکار میں اتنا خلل آگیا ہے کہ ہر عقیدہ کے لئے عقلی دلائل پیش آنے کے باوجود عقیدہ اندر سے خالی ہوتا ہے اور دل ہے کہ کسی طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ بلکہ بھاگا بھاگا پھرتا ہے جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا مسلمان نہ تو اپنے عقائد پر پختہ ہے اور نہ اپنے عقائد چھوڑ سکتا ہے۔ اس دورُخی کی وجہ سے مسلمان روز بروز اپنی ضلالت میں گر رہا ہے اور جوں جوں علاج کرتا ہے توں توں اسفل السافلین میں گرتا جاتا ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

جو علاج تجویز کئے جاتے ہیں چونکہ طبعاً عقائد اسلامی کے برخلاف ہوتے ہیں اس لئے بجائے فائدہ ہونے کے اُلٹا نقصان ہوتا ہے عوام تو عوام خواص بھی عوام سے بڑھ کر اس غیر طبعی علاج میں پیش پیش ہیں۔

مَیں نے یہ مقالہ صرف اس خیال سے لکھا کہ شاید بعض مخلص غیر متعصب میرے بھائی بڑھ کر مرض کا علاج کریں اور دین و دنیا میں سُرخ رو ہوں۔ اور اسلامی نظریات کو اپنانے میں اپنی ہمت صرف کریں کہ "دنیا روزے چند است عاقبت کار بخداوند" کا معاملہ ہے۔

میرا قلب اور میرا ذہن اس عقیدہ پر پختہ ہے کہ اگر آج بھی اس نظریہ حیاتِ اسلامی پر

ہر مسلمان کا عقیدہ پختہ ہو جاوے اور دنیا کو ہیچ خیال کر کے اپنا پورا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت اور کامل تابع داری اختیار کرے تو یہ ہمارے تمام امراض ظاہری و باطنی یا دنیاوی و دینی کافور ہو جاویں گے اور ہماری دنیاوی اور دینی فلاح انتہائے عروج پر پہنچ سکتی ہے۔ قومیں توپوں اور بموں سے فتح نہیں ہوتیں۔ بلکہ افکار و اخلاص سے ایک دنیا کو مسخر کر لیا جاتا ہے اسلام یہی افکار عالیہ اور اخلاق فاضلہ لایا تھا جس سے ساری دنیا مسخر ہو گئی تھی کیا سامان تھے کیا سائنس، صرف ایک اللہ کا نام تھا اور ایک پیغمبر کی تابعداری اور دنیا ہیچ تھی ایک درویش صورت، سیرت کے سامنے بادشاہ وقت آتے اور جھکتے اور درویش صفت انسان سے گھر بیٹھے کانپتے جس کے پاس نہ دولت تھی نہ مال صرف اللہ کا نام تھا اور بس۔ لیکن اس اللہ اکبر سے دل دہل جاتے اور اس تکبیر سے دنیا کے لات وعزیٰ گر جاتے قومیں آتیں اور کلمہ پڑھتیں دل بدلتے اخلاق بدلتے ہر طرف خدائے قدوس کی تحمید و تحلیل کی آواز سنائی دیتی تھی یہ تھا اسلام اور یہ تھے اسلام والے۔

ایک ضروری توضیح

پہلے لکھا جا چکا ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کے بلند نظریہ اور عقیدہ سے دین و دنیا کی آبیاری ہوتی ہے شاید بعض کو تفصیل سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے دھوکا ہو۔ دین کی آبیاری ہو سکتی ہے دنیا کی کیسی؟ لیکن سوچئے موجودہ وقت کے نظریہ حیات "پیٹ پالنے" نے کیا کیا گل کھلائے۔ کوئی انسان راعی اور رعایا سے نہیں بچ سکا کہیں رشوت ستانی کا ظلم ہو رہا ہے تو کہیں چور بازاری سے دنیا کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ علی الناس ہیں تو حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنانے پر ہیں۔ چپڑاسی سے لے کر گورنر تک

بھوکے نظر آتے ہیں اور کاشتکار سے لے کر تاجر تک دھوکے باز ہو بیٹھے ہیں۔ ایثار مال اور جذبہ قربانی ختم ہو چکا ہے دنیا ایک اندھیر ہو کر رہ گئی۔ عقل کی بصارت کو کچھ نظر نہیں آتا۔ افراد اور قوم روز بروز اندر ہی اندر کم ہوتی چلی جارہی ہے اور اخلاق کا نام و نشان تک باقی نہیں ہر طرف دنیا لالچ ہی لالچ ہو گئی، غریب ہے یا امیر، مجسٹریٹ ہے یا چپراسی، ہر ایک کی آنکھ بھوکی للچائی نظر ہر طرف پھر رہی ہے۔ اس صورت میں کیا وقار ہو گا اور کیا عزت؟

لیکن آج اسی نظریہ حیات کہ "دنیا دھوکہ ہے" کو اپنانا شروع کر دیں۔ کاشتکار تاجر نوکر چاکر، شاہ، محکوم، رعایا، راعی اپنی امانت، دیانت داری، صداقت، عدالت کی وجہ سے کتنے بلند وقار کے مالک ہو نکلیں گے۔ یہاں وقار بڑھانے کے لئے تنخواہ بڑھائی جاتی ہے اور جتنی بڑھتی ہے اتنی ساز و سامان کی توجہ بڑھتی ہے نتیجہ وہی جیسے پہلے ہاتھ پھیلائے بیٹھے تھے ویسے ہی اب حاکم اعلیٰ۔ وزیر و امیر ہاتھ پھیلائے پیٹ کی پوجا کے لئے ذلیل ہو رہے ہیں۔ ایک دن ہم بادشاہ بنانے ہیں دوسرے دن وہ اپنے اس نظریہ پیٹ پوجا کی طفیل لڑھکتا لڑھکتا گندی نالی میں دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی ذلالت خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے وہ نظر دنیا جس کی طرف اچھے لکھے پڑھے عقل مند و عزت دنیا اپنا قومی ملی فرض خیال کرتے ہیں جب کوئی قوم گر جاتی ہے تو اس کے عقائد اعلیٰ بھی روحِ عقیدہ سے خالی ہوتے ہیں تو پھر جسم بے جان کی طرح وہ عملاً بیکار ہوتے ہیں۔ لیکن کم فہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ یہ خیال ہمیں گرا رہا ہے لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ ایک وقت قوم و ملت اٹھان میں تھی یہی عقیدہ ہماری فلاح و برکت کا موجب تھا اور اسی سے ہم دنیا کے مالک ہوئے تھے

تو آج کیوں ہماری ذلّت کا باعث ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ اعمال بے روح کسی کام نہیں آتے۔ آپ نماز ادا کریں اور نماز بے روح نیاز سے خالی ہو تو پھر وہ کیونکر برے افعال اور بری باتوں سے بچا سکتی ہے اور کیوں کر قربِ الٰہی کے منازل طے کرانے کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔

تصوّف اور مقامِ تصوّف

معلوم نہیں دنیا نے آج تصوف کو کیوں اسلام کے سوا کچھ اور سمجھ رکھا ہے جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تصوف اسلام کی روح کے سوا کچھ نہیں جن حقائق یا عقائد کو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اسلام خود چاہتا ہے کہ یہ حقائق قلوب انسانی میں روشن ہو کر دنیا کی فلاح و برکت کا باعث بنیں انہی حقائق کو اپنانے کا نام تصوف ہے توحید، اسلام کا پہلا عقیدہ ہے لیکن اس عقیدہ کی پختگی کے کئی مدارج ہیں اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امت کا ایمان ایک طرف اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک طرف، اب غور فرمایا جائے کہ یہ فرق عظیم کیوں تھا؟ صرف پختگی ایمان کی وجہ سے نتائج کا مدار بھی عقیدہ کی پختگی اور ناپختگی پر ہے قرآن کریم فرماتے ہیں یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ ایمان دارو! اللہ سے اتنا ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے دنیا ساری خدا سے ڈرتی ہے لیکن وہ سب کچھ کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے اور سب کچھ نہیں کرتی جس کا حکم ہوتا ہے۔ غور فرمائیے واقعی اگر ڈرتے تو ایسا ہوتا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات جب تک تھی تو آپ کی محبت کے شرف اور آپ کی نظر کیمیا اثر سے اور اس وقت دنیا مخالفی کی وجہ سے عقائد اسلامی اس درجہ پر

پہنچ گئے تھے جس درجہ پر ان کا پہنچنا حق تھا۔ لیکن جوں جوں رسالتؐ کے زمانے کو بعد ہوتا گیا طبائع کے اندر عقائد گرنے شروع ہو گئے لیکن جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنا خاص بنا لیا اور جن کو اپنے فضل و کرم سے ممتاز فرمانا تھا۔ اُن کو اپنی محبت کے اندر جذب فرما لیا اور ان پر توحید کامل کے انوار وارد فرمائے اور اُن کو دنیا سے بیگانہ فرما کر اپنے لئے خاص فرما لیا جن سے یہ خدمت پسند تھی کہ وہ اسلام کے حقائق قرآنی اور افکار ربانی کی عملی تفسیر ہو کر خلق اللہ کے نمونہ ہو جائیں یہی نمونہ اہل دل اور اہل تصوف کہلاتے ہیں اور ان بزرگان دین نے ان حقائق کو اپنانے کے لئے جو جو طریقے روشن فرمائے ان طریقوں سے وہ اس خدمت اسلامی کو سرانجام فرماتے رہے اور لوگوں کو تزکیہ نفس کی اعلیٰ تعلیم عملاً دے کر دنیا کو اسلام کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔

کتبِ قوم موجود ہیں ان کے حالات موجود ہیں ان کی صورت و سیرت کے نقشے موجود ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ اسلام کے سوا کچھ پیش کرتے رہے اور قرآن حکیم کے سوا کچھ اور تعلیم فرماتے رہے توحید کو کس کمال تک پہنچایا کہ دوئی کا شائبہ تک نہ رہا تھا۔ تو درو گم شو وصال این است بس۔

رسالت کی محبت پر جان دیتے گئے۔

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

اسی نظریہ حیات کو اپنانے کے لئے وہ دنیا سے ایسے دست کش ہوئے کہ مرتے دم تک کسی دنیاوی لذت اٹھانے تک کا خیال نہ آیا۔

چیست تقویٰ زہد اے عالیجناب بمراد خود نہ گشتن کامیاب

ان قرآنی حقائق کے اپنانے سے وہ خود تو درویش تھے لیکن بادشاہ وقت ان کی سلامی

کو فخر جانتے تھے اپنے نہیں۔ غیر اقوام کے بادشاہ بھی جوتے اٹھانا فخر خیال کرتے تھے۔
کیوں صرف اس لیئے کہ قرآنی حقائق کو جو ان کا حق تھا اسے اپنانے میں اپنی تمام عمر بس
صرف کر دیں اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ کی کئی تفسیریں اور تاویلیں آپ نے دیکھی ہوں
گی لیکن اہل دل نے جو تفسیر فرمائی ہے

مال و اولادت بمعنے دشمن اند — گرچہ نزدیک تو چشم روشن اند
اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ را یاد گیر — مال و ملک و دولتش بر باد گیر

اس سے بڑھ کر کسی حقیقت شناس انسان نے اس کی تفسیر و تعبیر کی؟ کتنے واضح الفاظ
میں کھلا کہہ دیا ہے گرچہ نزدیک تو چشم روشن اند۔ پھر بھی زبانی دعویٰ نہیں رہا جب
کبھی مال و دولت کی ٹکر ہوئی تو اس سے اتنا بھاگے کہ مڑ کر نہیں دیکھا۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے جب حرم کعبہ میں ان کے صاحبزادے
آئے اور ان کی طرف طبیعت للچائی اور ان کی رعنائیت پر نظر جمی تو اسی وقت بارگاہ
میں ہاتھ اٹھائے کہ یا اللہ! کس فتنے میں مجھے ڈال دیا گیا مجھ سے یہ فتنہ دور فرما۔ بیان
کرتے ہیں کہ صاحبزادے کا پاؤں پھسلا اور وہیں جان بحق ہو گئے آپ کہیں گے کہ یہ فقر و
تصوف ہے جو بیٹے تک سے لاپرواہ ہے لیکن ذرا آنکھ کھول کر دیکھا جائے کہ دنیا کی محبت
میں آل و اولاد نہیں بھول جاتی آج اس محبت کی وجہ سے باپ بیٹا مخالف نظر آتے ہیں
بلکہ ساری دنیا اس پاک جذبہ الفت کو صرف مال و دولت کے نشہ محبت میں لگا کے
سے ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں اور کوئی بھی نہیں جو ان پر طعن و تشنیع کرے
اگر طعن و تشنیع ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت پر کوئی دنیا میں اپنا مال و دولت لاکھوں
کا آوارگی میں خرچ کرتا پھرے لیکن کسی کو اعتراض نہیں اعتراض ہے تو اس خرچ پر جو

راہِ حق میں کوئی خرچ کرے محبت الٰہیہ سدا سہاگن ہے باقی تمام محبتیں فانی ہیں کب تک وہ ساتھ دیں گی آج کی دنیا تو یورپ و امریکہ کی سیر کے لئے بیویاں خاوند بچے بیٹے چھوڑ کر جا رہی ہے اور اس پر فخر کرتی ہے اور ان کے اعلیٰ اقدار بتانے پر نشر یات ہوتے ہیں اور کوئی ملامت نہیں کرتا کہ وہ فطرتی محبت کہاں گئی۔

مقامِ تصوّف تصوّف کی نگاہ و نظر کسی عمل کے ظاہر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ عمل کی ظاہری صورت سے بڑھ کر عمل کی روح پیدا کرنے تک ہوتی ہے اور جب تک یہ روح پیدا نہ ہو یہ عمل کو لگاتار کرتا رہتا ہے اور عمل کی کثرت سے عمل کی رُوح جب پیدا ہوتی ہے تو اس وقت اس کے نزدیک عمل کی قیمت ہوتی ہے اور عمل کا احترام اس درجہ سے پہلے اس کے نزدیک ظاہراً کوئی کتنا ہی اچھا دکھائی دے اس کے نزدیک اس کی قیمت نہیں۔

ذکر۔ یہ لا الٰہ الا اللہ کو پنج وقتہ اذان کے بعد پڑھنے کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ کے دوام ذکر سے اپنے سینہ میں نور دیکھنا چاہتا ہے اور جب تک یہ نورِ قلبی پیدا نہ ہو جائے صرف ذکر کی کوئی قیمت اس کے نزدیک نہیں۔

نماز۔ اسی طرح نماز کو پنج وقتہ ادا کر کے اپنی تسلّی نہیں پاتا۔ بلکہ کثرت نوافل کی عبادت کو رات دن اپنا وظیفہ خیال کرتا ہے اور جب تک الصلوٰۃ معراج المومنین کی حقیقت اس کے سامنے نہیں آتی یہ اپنی نماز کو نماز نہیں خیال کرتا۔

روزہ۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنے سے یہ اپنا فرض ادا ہونا خیال نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کے تزکیہ کے لئے مدتوں روزے رکھتا ہے یہاں تک کہ تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللہ کی شان پیدا ہو جاوے اور اسرار الٰہیہ کی موج سینہ میں لہرانے لگے۔

زکوٰۃ ۔ واجب مال پر زکوٰۃ پر اسے قناعت نہیں بلکہ تمام مال، جان کو راہ مولے دینے کو اپنی زکوٰۃ جان و مال خیال کرتا ہے حتّٰی کہ اولاد کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ ہر چہ داری صرف کن در راہ او پر عمل ہوتا ہے اور شانِ صدیقیت کا پورا نمونہ ہونے کی تڑپ رہتی ہے ۔

حج ۔ اپنے حج کو اس وقت تک حج نہیں خیال کرتا جب تک اسے حرم کے اندر عرش عظیم پر خدائی جلوے نظر نہ آئیں اور اپنے آپ کو بارگاہ الٰہیہ کے حرم میں نہ دیکھے ۔

ظاہر و باطن ظاہر و باطن اور لفظ و معنی کو ایک دیکھنا پسند کرتا ہے اور جسم و جان کو اکٹھا جب تک عمل میں نہ دیکھے اُسے منافقت سے تعبیر کرتا ہے اسے صرف شریعت پر قناعت نہیں جب تک طریقت حقیقت تک شریعت نہ پہنچے ۔ شریعت کو بے حقیقت جانتا ہے یہ کتاب و سنت کو تزکیہ کے ساتھ لازم سمجھتا ہے اور جب تک تزکیہ نفس پر توجہ نہ ہو کتاب و سنت کو بے معنی و بے رُوح خیال کرتا ہے الغرض ہر عمل میں ظاہر و باطن کی تمیز اٹھانا اُس کا اوّلین مقصد ہے ایسی صورت میں خود اندازہ لگائیے کہ تصوف کا مقام اسلام میں کس درجہ بلند ہے اور کتنا رفیع لیکن کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے علم کے زعم میں اسے اسلام سے الگ بنانے پر اپنا پورا زور خرچ کر رہے ہیں اور اپنے اندر نہیں دیکھتے کہ کون سی طوطی ان کے اندر بول رہی ہے اور خیال نہیں فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف شارع اسلام ہو کر تشریف نہیں لائے تھے بلکہ مزکّی بھی تھے قرآن حکیم جہاں .... وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ فرماتا ہے وہیں وَیُزَكِّیۡهِمۡ کی صفت سے آپ کی شان بڑھاتا ہے کتاب و سنت تزکیہ کے بغیر نہیں اور تزکیہ کتاب و سنت کے سوا کچھ نہیں پھر کیونکر تصوّف کو اسلام سے

جدا خیال کیا جائے اور کیونکر تصوّف کے حقائق کو ویدانت وغیرہ سے تعبیر کیا جائے ۔
رومی اسی درد پر بول اٹھے تھے ؎

من ز قرآن مغز را برداشتم　　استخواں پیش سگاں انداختم

قرونِ اولیٰ میں کتاب وسنت اور تزکیہ الگ الگ نہ تھے کتاب وسنت کے مالک پورے اور کامل مزکّی ہوتے اور اہل علم اور اہل دل جدا نہ تھے یک جان و دو قالب کے مطابق اسلام تھا ہر قالب میں دونوں صفتیں جلوہ گر تھیں لیکن رسالت سے جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا اور طبائع گرتی گئیں　دونوں صفات کو کمال تک پہنچانا بیک وقت مشکل ہو گیا اس لئے اہل اسلام کی پیشوائی اور رہنمائی کے دو طبقے ہو گئے ایک اہل علم اور کتاب وسنت کا دوسرا اہل دل صاحبِ تصوّف کا پھر بھی چولی دامن کا ساتھ تھا صاحب علم صاحب تزکیہ ہوتے تھے اور صاحبِ تزکیہ صاحبِ علم، کون کہہ سکتا ہے کہ جنیدؒ یا یزیدؒ یا شیخ عبدالقادرؒ کتاب وسنت کے عالم نہ تھے یا شافعیؒ۔ احمدؒ تزکیہ سے خالی تھے صرف امام فن ایک میں تھے یا تصوّف میں یا کتاب وسنت میں ۔

لیکن آج عجب معاملہ الٹ گیا ہے اہل تصوّف اہل علم کو محجوب جانتے ہیں اور اہل علم اہل تصوّف کو بے علم شاید حقیقت موجودہ وقت ایسی ہی ہو لیکن اس وجہ سے اصل تصوّف پہ حرف نہیں آتا حرف ہے تو متصوّفین پہ ان پر لے دے ہو تو کچھ معنے بھی ہو گا لیکن اصل تصوّف پہ لے دے کرنا ہمارے نزدیک خود اسلام پر لے دے ہے اور بس ۔

خود تصوّف بذاتہ ویزکیہم (ان کا تزکیہ فرماتے) کی تفسیر وتعبیر اور اس کے ذرائع و وسائل کے سوا کچھ نہیں مقصود تو اللہ تعالےٰ تک پہنچنا ہے خواہ کچھ ادھر ادھر بھٹک کر ہی پہنچیں ۔ سیدھے راہ چلنے والے اگر منزل مقصود پر دھیان ہی نہ رکھیں تو پھر وہ کیوں کر پہنچیں گے

جو راہی راہ کی بھول بھلیاں کو سیر جانتا ہو وہ کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچا موجودہ وقت کا علم بھول بھلیاں کے سوا کچھ نہیں اور اسی بھول بھلیاں میں تماشائی رہنا عقل کے خلاف ہے

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　　روئے خود را جانب دلدار کن

ترجمہ:- سینکڑوں کتابیں سینکڑوں کاغذ آگ میں ڈال دے۔ اور اپنا منہ اور توجہ دلدار حقیقی کی طرف پھیر دے یہ ہے تصوف جس کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

اہل علم ہمیشہ علم کے نقطہ نگاہ سے حقائق قرآنی کو حل فرمانے کی کوشش فرماتے رہے ہیں لیکن

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　　پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

اہل عقل کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں بہت ہی کمزور ہوتے ہیں اور اس حل کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ اور حقائق قرآنی کے عقلی حل دلوں میں نہ بیٹھے نہ بیٹھیں گے لیکن اہل دل نے اپنی ایک پاک نظر اور اپنی ایک پاک توجہ سے ایک آن کی آن میں یک دم تمام شکوک کو رفع کر دیا اور ان کے عقل کا اندھاپن ان کے سامنے کر دیا۔ شک گیا اور یقین بیٹھ گیا۔

یہی حقیقت کبریٰ کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے۔ کس علم والے کے دل پر بیٹھتی ہے اور کون صاحب علم ہے کہ اپنے استدلال سے کسی انسانی ذہن پر یقین کا حال پیدا کر دے لیکن دنیا میں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں مرد کی صاحب نظر کی ایک نگاہ غلط انداز سے دنیا کا صحیح نقشہ فنا سامنے آگیا اور پھر مرتے دم آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا۔ یہ ہے فقر اور یہ ہیں اس کی کرشمہ سازیاں۔ باوجودیکہ آج نام ہی نام فقر و تصوف کا رہ گیا۔ پھر بھی طبائع اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں دیکھتیں کہ کسی کے در دولت

پر جا کر مریں کہ بامراد مرینگے آخر کوئی حقیقت تو تھی اور کوئی حقیقت ہے ورنہ آج کی دہری دنیا ایک سنانے میں وہی سناتی ہے استدلال پر استدلال ہے یہاں تک کہ وقت نکل جاتا ہے اور طبیعت اکھڑ جاتی ہے۔ اور بے مزہ ہو کر اپنا اپنا راستہ لیتی ہے آج بھی نظر و قلب سے مسلمان کام لیں گے تو کام چلتا رہے گا ورنہ علم سے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

ع بس ہو چکی نماز مصلے اٹھائیے کے نعرے ہر طرف بلند ہیں اور بس

افادیت نظریہ حیات

یوں تو مختلف مواقع پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیادہ واضح کرنے کے لئے عنوان ہذا کے زیر اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ اس نظریہ حیات نے مسلمانوں کو بے کار نہیں بنایا بلکہ با کار۔ انہیں بیکاری کی موت نہیں سلایا بلکہ باکاری سے ان کے لئے حیات ابدی کے سرچشمے کھول دیئے۔ موت و زندگی ان کے سامنے برابر ہو گی موت ان کے لئے جام شہادت ہو کر پیش ہوتی رہی اور ہر حصہ زندگی میں دنیائے عالم سے پیش پیش ہوتے گئے یہاں تک کہ عالم کے فاتح ہو کر نکلے اور جہانبانی اور جہانداری کے وہ انوکھے طریقے دنیا میں دکھائے جس سے دنیا پہلے روشناس نہ تھی وہ بے ساماتی کو سامان سمجھنے لگے۔ طارق نے اپنے ساز و سامان فتح کو آگ لگا کر دنیا کو بتلا دیا۔ کہ بے سامانی زندہ اقوام کے لئے خود سامان ہے اور اسلام کی نظر میں سامان پر بھروسہ نہیں صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔

ایک طرف جہاد و جنگ کے لئے مجاہد اپنی کمر کستے تھے دوسری طرف اپنی بے ساز و سامانی پر نظر رکھتے ہوئے جام شہادت کے منتظر ہو بیٹھتے تھے۔ کہ ان کا خیال کہ تاریک زندگی چھوڑ کر ایک پاک زندگی میں داخل ہو دیں جہاں دنیاوی مال و متاع کے سوا وہ سب کچھ ہو گا جو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کانوں نے سنا ہے

دنیا داری کا یہ بڑا مغالطہ کہ دنیا ہیچ سمجھنے میں بیکاروں کی دنیا ہو جائیگی کتنا بڑا مغالطہ ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک جاہل کہہ دیتا ہے کہ دنیا کو پڑھا کر دنیا کو بیکار بنانے کی پالیسی ہے لیکن اس جاہل کا کیا

قصور اس نے واقعی ایسے دیکھا کیونکہ تھوڑا بہت پڑھ کر جب بچے نہ تو کام کرتے ہیں اور نہ ہی نوکری کے قابل ہوتے ہیں تو وہ کیوں نہ ایسا کہے لیکن وہ نہیں دیکھتا کہ جو پڑھ گئے اور دنیا میں بڑھ گئے اعلیٰ مناصب پر جا پہنچے اور اعلیٰ تجارت کے مالک ہو کر دنیا کے خزانے جمع کر رہے اور اعلیٰ کاشتکاری کے اصولوں پر کاشتکاری سے لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔

یہی حالت ہماری پست قوم کی ہے کہ وہ نہیں دیکھتے دنیا میں وہی ممتاز ہوئے جو قوم کے لئے اپنے پیٹ پوجا سے نکل کر اپنی قوم کے لئے مر مٹے۔ اور یہاں حالت اس سے بھی بلند ہے کہ قوم کے لئے نہیں آخرت کی زندگی کے لئے اور مولیٰ کریم کی رضا کے لئے جس کی رضا دین و دنیا کی فلاح ہے جس کے اندر کبھی گھاٹا نہ ہوگا۔

قرآن کریم نے جہاں دنیاوی زندگی کی بے اعتباری کا نقشہ پیش کیا وہیں آخرت کی حیات کے ثمرات پیش کئے، اسی آیت زیر نظر کے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کے بعد فرماتے ہیں سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ لوگو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف لپکو اور نیز بہشت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ (اتنا) ہے جیسے آسمان و زمین (ملا کر) دونوں کا پھیلاؤ اور تیار کرائی گئی ہے ان کے لئے جو خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں (ترجمہ مولوی نذیر احمد)

ملہ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ

(پ ۷ رکوع ۱۴ سورۃ انعام)

ملہ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ؕ

(پ ۷ رکوع ۱۴ سورۃ انعام)

۱۲ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَھْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَاۚ

(پ ۸ رکوع ۱۲ سورۃ اعراف)

۱۳ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ (پ ۲۱ رکوع ۷ سورۃ عنکبوت)

۱۴ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۚ (پ ۲۱ رکوع ۱۲ سورۃ لقمان)

۱۵ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ۚ

(پ ۲۲ رکوع ۱۴ سورۃ فاطر)

۱۶ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۚ

(پ ۲۴ رکوع ۵ سورۃ مومن)

اہل تصوّف کوئی سالک جب اپنے فرمودہ شیخ پر کثرت ذکر کثرت عبادت پہ اُتر آتا ہے اور متواتر روزوں دھوک اسے سینہ پاک کر لیتا ہے تو انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ سے معمور ہو کر اپنا مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے تو اللہ کریم اس کے اعمال میں نورانیت پیدا فرما دیتے ہیں اور یہ نورانیت قلب سالک کو منور فرمانا شروع کر دیتی ہے یہاں تک کہ دنیا سے کامل بیزاری ہو جاتی ہے اور جنس دنیا اسے بُری معلوم ہونے لگتی ہے اور جو مولا کریم نے حیات دنیا کی تعریف کا بیان فرمایا ہے اس سے پار نکل جاتا ہے اور اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ کی حقیقت اس کے سامنے آجاتی ہے تو اس وقت وہ تمام علائق دنیا اور دنیا سے الگ ہو کر جلوۂ الٰہی اور دیدار الٰہی کی تڑپ میں گنگناتا ہے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش پر آتی اور اپنے جلوے قلب سالک پر ڈالنے شروع

کر دیتی ہے اور لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ (الحدیث) کے مطابق ہمہ تن جلوہائے الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے تو اس وقت سالک یا صوفی نمونہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ توحید کے انتہا تک پہنچتا ہے کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ پھر اس کے چہرے مہرے کے انوار سے کفر و ضلالت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ اور اس کی تمام عادتیں اور خصلتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں صَلُّوا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ تو ساری دنیا اس کے لئے اور اس کی اور اس کی اولاد کے لئے سلامتی اور رحمتیں اللہ سے طلب کرتی ہے آیت نور جس کی تفسیر میں علم والے حیران نظر آتے ہیں اور جس کی تفسیر و تاویل میں عقلیں عاجز ہیں صوفی بعینہٖ اس کی تفسیر جیاتی ہو نکلتا ہے، ہو بہو نور الٰہی کی طرح دنیا پر نور الٰہی کے انوار ڈالتا ہے اور دنیا اس کے مشعل قلب بشری سے ہدایت پاتی ہے اور نور الٰہی کی طرف دوڑتی ہے۔ اب آیت نور کو پڑھئے۔

خانقاہی تصوف کا پورا خاکہ (داغ بیل) صحیفہ قرآنی میں

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ
كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ
زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ
يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ
وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا
بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ
تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۝

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا مثال نور
اس کے کی مانند طاق کی ہے کہ بیچ اس کے
چراغ ہے اور چراغ بیچ قندیل شیشہ کے ہے
اور قندیل گویا کہ وہ تارا چمکتا روشن کیا جاتا
ہے وہ چراغ درخت مبارک زیتون کے سے
کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف ہے
نزدیک ہے کہ تیل اس کا روشن ہو جاوے اگرچہ
نہ لگے اس کو آگ روشنی اوپر روشنی کے ہے راہ
دکھاوے ہے اللہ طرف نور اپنے کے اور بیان
کرتا ہے اللہ مثالیں واسطے لوگوں کے
اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔
ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو
بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا
یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام وہ

مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور
نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم
کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔

فہم قرآن:۔ قرآن کا فہم کوئی آسان امر نہیں اول تو اللہ تعالیٰ ذوق سلیم عنایت فرمائے اس کے بعد تدبر لازم ہے تدبر میں آہستگی ہے جلدی نہیں اور تدبر حاصل ہوتا ہے ترتیل سے اور ترتیل کہتے ہیں گنگنا کر پڑھنے کو جب ترتیل سے قرآن پڑھا جائے تو تمام معانی و حقیقت آہستہ آہستہ سامنے نظر آنی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ مفہوم حقیقی بھی صاف نظر آجاتا ہے۔ زیر نظر آیت کو بار بار پڑھنے خود بخود حقیقت کھلتی جائے گی سب سے بڑا سوال یہ ہے۔ کہ تمثیل جو دی گئی حقیقتہً وہ خود تمثیلی حقیقت ہے یا اس کے اندر کوئی حقیقت ہے جس کے لئے اس تمثیل کو بطور مجازاً استعمال کیا گیا۔

تمثیل کا مفہوم:۔ طاقچہ کے اندر چراغ جو ایک اچھے بلند مکان کے اندر جس کے اندر اللہ کا ذکر رات دن صبح و شام ایسے لوگ کریں۔ جو بیع و شرا جیسے امور میں بھی اپنے مولیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہوں اور اپنی نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کے دینے میں غافل نہ ہو سکیں ایسے دن سے خوف کھاتے ہوں کہ جس میں دل اور آنکھیں ہلتی اور الٹ پلٹ ہو جائیں گی

تو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ تمثیل حقیقت نہیں بلکہ مجاز کے طور پر مولیٰ کریم نے پیش فرمائی اس کے علاوہ آیت کے ایک ایک ٹکڑے میں اس حقیقت کے نشانات دیئے گئے۔ مجاز سے حقیقت تمثیل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

حقیقی مثال:۔ مشکوٰۃ (طاقچہ) کے اندر چراغ اور چراغ ہو ایک شفاف قندیل میں جس کو زیتون کا تیل روشن کرتا ہے اور یہ تیل نہایت متبرک درخت، زیتون سے جو عین وسط

میں اور مشرق و مغرب کی سمتوں سے بلند ہو اور یہ طاقچہ ایسے گھروں میں جس کا ذکر پہلے پوری طرح آگیا۔ یہ کیا ہے، یہ کائنات کے اشرف المخلوقات کا ایک اشرف اور برگزیدہ انسان جسے ولی اللہ سے تعبیر عام طور پر کیا جاتا ہے اس کا سینہ اور دل ہے جو بعینہٖ نور الٰہی ہو کر دنیا میں چمکتا ہے اور نور الٰہی کی طرح زمین و آسمان کو روشن فرماتا ہے۔ اب غور فرمائیے کہ اس نور السمٰوٰت والارض کی مثال اسی نور انسانی کی قلبی ضیا انسانی سے کتنی واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔ یہ خیال رہے کہ نور مطلق کو مشتبہ قرار نہیں دیا گیا بلکہ اضافی نور کو یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کا نور کیسے ہے جیسے طاقچہ اور اس کے اندر چراغ۔

قرآنِ حکیم میں سرورِ دو عالم سے خطاب ہوتا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (کیا تیرا سینہ نہیں کھولا گیا) حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں التجا فرماتے ہیں رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ (اے خدا میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے) ایک دوسری جگہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (جس کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے) یہ ہے وہ مشکوٰۃ (طاقچہ) جس کے اندر نور خدائی چراغ کی طرح روشن ہے اور چراغ نورانی قلب مومن جو شفافی اور آبداری میں قندیل و شیشہ سے جو موتی کی طرح چمک رہی ہے اس سے بھی بڑھ کر شفاف ہے اور یہ چراغ نورانی مبارک درخت زیتون جو نہ مشرق کو ہے اور نہ مغرب کو بلکہ عین نقطۂ وسطی میں (ذات اقدس عز اسمہ) کے روغن زیتون (اسرار الٰہیہ اور تجلیات ذاتیہ) آگ لگائے بغیر بھی روشن ہے، جل رہا ہے یہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے ایک نور دائمی ذکر و فکر متواتر عبادت لگاتار روزوں کی بھوک و پیاس اور مال و

دولت کے خرچ سے اعمال سے پیدا ہو کر دل کے اندر روشن تھا اور یہ دوسرا نور رحمانی جو تجلیات ذاتیہ کے وارد ہونے سے قلب پر وارد ہوا یہ دونوں نور مل کر نور علیٰ نور ہو گئے۔ اب مولیٰ کریم جسے چاہتا ہے اس نور قلبی مومن کی طرف راہ دکھاتا اور متوجہ کرتا ہے۔ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ آدمیوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے) فرما کر اس حقیقت کو اور روشن تر فرما دیا کہ اس طاقچہ اور چراغ کی مثال سے یہ خیال نہ کرنا کہ طاقچہ اور چراغ خود کوئی تمثیل ہے بلکہ اس تمثیل کے اندر ایک اور تمثیل ہے جو حقیقت بیان کرتی ہے۔ جیسے تمثیل میں کہا گیا کہ وہ ایک چراغ کی طرح روشن ہے اور قندیل جیسی چمک اس میں آگئی اور اسرار الٰہیہ اور تجلیاتِ ربانیہ سے اس کی آنکھ مست ہے اور ہر وقت ذاتِ اقدس سے متواتر رحمتیں اور انوار نازل ہو رہے ہوتے ہیں پھر حقائق اور علوم کا کلی کشف ہو جاتا ہے جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اچھے لوگ اس کے پاس کھنچے چلے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور کو پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔

یہ نور پوشیدہ نہیں رہتا دل سے رگ و ریشہ کے ذریعہ جسم میں آتا ہے اور جسم سے لباس پر چمکتا ہے اور لباس سے مکان کے اندر اور مکان سے حسب طاقت دنیا میں پھیلنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک ایک حصہ عالم کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ اس حصہ کی فضا اور جو اس نور سے پُر ہوتی ہے آدمی تو آدمی رہے جانور تک اس نور سے متاثر ہوتے ہیں۔

نبوت (صاحب ولایت) اور صاحب یقین کے حجرے جب نور سے بھر جاتے ہیں تو آنے جانے والے کے چہرے بشرے فوری طور پر متاثر ہوتے ہیں اس وقت خانقاہ کے مقیم لوگوں کی حالت بعینہٖ وہی ہوتی ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ

ذِکْرُ اللّٰہِ بلکہ بیسا اوقات بیع و شرا کا جھگڑا رہتا ہی نہیں صرف ذکر اور عبادت ان کے دل و جان کو گھیر لیتی ہے اس وقت مرشد کے انعکاس کی وجہ سے سالکوں کے دل اور چہرے آفتاب کی طرح دمکتے ہوتے ہیں اور ہر آدمی دیکھنے والا بلا مبالغہ نور الٰہی کی جھلک ان کے چہروں پہ دیکھ کر نور الٰہی کو دیکھ پاتا ہے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ یہ جملہ بیان فرما کر ایک اور شاہد پیدا کر دیا گیا کہ اصلی تمثیل وہ نہیں جو مجازاً استعمال ہوئی ورنہ اس مجازی تمثیل کے ساتھ یہ جملہ بفائدہ اور بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہ جملہ اس تمثیل حقیقی کو مکمل کرنے کے لئے لایا گیا کہ جیسے ذات اقدس ہر چیز کا علم رکھتی ہے اسی طرح ایک ولی صاحب یقین معرفت کا دل انعکاسی طور پر ہر حقیقت سے واقف ہوتا ہے اور ان کا علم اسے دیا جاتا ہے خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کی مثال بھی اسی حقیقت کی طرف جاتی ہے ورنہ ذات صورتوں سے پاک ہے یعنی کچھ صفات بطور عکس انوار قدس ظہور پکڑتے ہیں اور صاحب دل کی صفت علم میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ :۔ بیوت اور اس کے مابعد کے جملے مزید وضاحت کر دیتے ہیں کہ تمثیل حقیقی کو ایک مجازی کی صورت میں ادا کیا گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ بیوت کیا ہیں خانقاہیں یا مدرسے۔ مدرسے بنانے کی تو کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ مدرسوں میں نہ تو ذکر اسم اللہ کا شغل ہوتا ہے اور نہ وہاں تسبیح و تہلیل صبح و شام ورد و زبان رکھی جاتی ہے نہ ایسے آدمی وہاں ہوتے ہیں جو خرید و فروخت[1] کے وقت ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوتے ہوں یہ سراسر نقشہ خانقاہوں کا ہے جہاں ذکر اللہ باقاعدہ مشاغل میں ہوتا ہے اور تسبیح و تہلیل کے اوقات مقررہ صبح و شام رکھے ہوتے ہیں اور ایسے سالک مقیم ہوتے ہیں جو کسی صورت میں ذکر الٰہی اور ادائے نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں ہوتے اور ان کے دل قیامت کے خوف سے لرزاں ہوتے ہیں۔ اور ان کو پورا پورا یقین ہوتا

[1] بیع از لغات اضداد۔ است خرید و فروخت (منتہی الارب)

ہے کہ ان کے اعمال کی جزا نہایت عمدہ مولیٰ کریم ان کو دیں گے اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ سے زیادہ عنایت فرماویں گے۔

وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ یہ جملہ خانقاہ کے مصارف (لنگر وغیرہ) کی بابت پوری روشنی ڈالتا ہے اور صاحب ولایت کی فتوح اور تسخیر کو بے نہایت اور بے پایاں دکھاتا ہے اور مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کی نشان دہی کرتا ہے کیا ایسے ہی نہیں ہوتا رات دن لنگر چلتے ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے آتا ہے اب ذرا نظر دوڑا کر دیکھئے کہ یہ نقشہ آپ نے خود دیکھا ہوگا۔ یا تاریخ امت میں ایسے صاحب ولایت اور صاحب دل کے حالات پڑھے ہوں گے۔ خود ہندوستان کی سرزمین میں جپہ جپہ اس کی شہادت موجود ہے کہ جو اللہ کے بندے ایسے ہو گئے کہ دنیا کو چھوڑ خدائے قدوس کی طرف یک طرفہ ہو کر اس کے ذکر اس کی عبادت میں لگ گئے اور مال و دولت اس کی راہ میں خرچ کر کے ننگ دھڑنگ ہو بیٹھے بیداری شب اور روزے رکھنے کے عادی ہو گئے یہاں تک کہ ان کا سینہ اور دل ایسے ہی ہو گیا جیسے تمثیل دی گئی۔ اب آئیے اصل مطلب کی طرف کہ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا کیسے جیسے ایک پاک دل کی روشنی سے ایک دنیا پر روشنی آجاتی ہے اور ایک دنیا کے چہرے بشرے اس نور سے بھرے بھرے نظر آتے ہیں ایسے ہی زمین و زمان اس کے نور سے بھرپور ہیں۔ اور دیکھنے والے اُسے دیکھتے ہیں اور اس کی رونق و زینت کو نور الٰہی سے بھرپور پاتے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ یہ آیت مذکورہ کے رکوع کا آخری فقرہ ہے جس کے معنے تمام آیت کے خلاصہ پر ایک ایسی حقیقت کو واضح کر دیا جس سے

تمام آیت کا خلاصہ سامنے آ جاتا ہے فرماتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالےٰ نور نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں یعنی جس کے دل کو اللہ تعالےٰ نور عنایت نہ فرمائے تو اس کے لئے ذات الٰہی کا نور کبھی بھی ظہور نہیں پکڑتا۔

آنکھ کا نور چاند سورج کے نور کو دیکھتا ہے اگر آنکھ کا نور نہ ہو تو چاند سورج ستاروں کا نور نظر نہ آئے گا بعینہٖ یہی صورت یہاں ہے کہ جس کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ اپنا نور (بصارت) پیدا نہ کرے۔ وہ کبھی بھی نور مطلق کی ضیاء افشانی زمین و آسمان دیکھ نہیں سکتا گویا اللہ کا نور وہی دیکھ سکتا ہے زمین و آسمانوں پر جس کے دل کے اندر تمثیل کا نور موجزن ہو قرآن پاک میں فرماتے ہیں فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِى الصُّدُوْرِ ۔ آنکھیں اندھی نہیں لیکن سینوں میں دل اندھے ہیں یہ جملہ بھی اپنے ماسبق جملوں کی طرح تمثیل کو مجازی دکھاتا ہوا حقیقت کی طرف لے جاتا ہے اور تمام آیت کا مطلب واضح کر دیتا ہے۔ لیکن تمثیل کے اندر جس پاک سینہ اور منور دل کا حال بیان ہوا وہ کوئی معمولی سینہ اور دل نہیں ہوتا بلکہ صدیوں کے بعد ایسے پاک نفوس پیدا ہوتے ہیں جن کے دل اور سینے ایسے ہوتے ہیں جو دنیا ان سے روشن ہوتی ہے اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبالؒ)

قرنہا باید کہ تا از فضل حق پیدا شود ۔۔۔ بایزیدے در خراسان یا اویسے در قرن

اوّل درجے پر جو نفوس قدسیہ ہوتے ہیں وہ تو نبی اور رسول ہوتے ہیں جو مذہب توحید کے سرچشمے ہوتے ہیں اور دوسرے درجے کے جو ولی اللہ ہوتے ہیں وہ اپنے

انفاس قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے مذہب کو زندہ رکھنے کا باعث ہوتے ہیں یہ دولت
سراسر کسبی نہیں بلکہ فیض قدس کی عنایات سے لائی جاتی ہے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ
مَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرماتا ہے۔
لیکن ہمیشہ سے یہ نور اندھیرے حجروں، تاریک غاروں سے پھوٹ آتا ہے نہ ک
مدرسہ و مکتب سے مکاتب اور مدرسہ پہلے ہی اپنے علم و خیال سے بھرے پڑے ہوتے
ہیں۔ جہاں اس نور کی گنجائش نہیں یہ نور وہاں اپنے ڈیرے ڈالتا ہے جہاں کسی کا گذر نہ
ہو کسی کا مقام نہ ہو۔

حجرے شاہ مقیم دے اک جٹی عرض کرے ۔۔۔ مَیں بکرا دیساں پیر دا جو میرے گھر دا خصم م
پنج ست مرن گوانڈھناں نالے سوہرا کس مرے ۔۔۔ دیہڑا ہو میرا خالی تے مرزا آن وڑے

یہاں بشریت کے تمام حواس کی نفی درکار ہے ایک ایک کو کنڈ کرنا ہے تاکہ دل صاف
ہو اور حق سبحانہٗ کے انوار و تجلیات وارد ہوں بطور مجاز خود تشریف لائیں۔ یہ بات
مکتبوں اور مدرسوں میں کہاں ہے خواہ وہ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے رات دن درس
ہی کیوں نہ پاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ دل ایک ہے اور ایک ہی طرف توجہ کرسکتا ہے جس ک
خیال الفاظ پر ہے وہ معانی پہ توجہ نہیں دے سکتا اور جو دھیان معانی پر دے وہ الفاظ
کے تلفظ پہ توجہ نہیں دے سکتا۔ یہاں معانی و الفاظ سے گزر کر ایک اور حقیقت کی طرف
توجہ درکار ہے اور اگر اس حقیقت پہ توجہ ہو جائے تو پھر مدرسوں اور مکتبوں میں بیٹھنے کی
ضرورت ہے کیونکہ مدرسے اور مکتب الفاظ و معانی اور مطالب تک محدود ہوتے ہیں اس
کے آگے جانا جب مقصود ہی نہیں تو پھر کیسے اس طرف کسی شاگرد و استاد کی توجہ ہو سے

صد کتاب و صد ورق در نار کن ۔۔۔ رو ئے خود را جانبِ دلدار کن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا جانتی ہے اُمّیؔ یعنی ناخواندہ تھے کسی مکتب خیال میں تشریف نہ لے گئے غارِ حرا ان کا مکتب تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا استاد نظر نہیں آتا۔

ایک دھوکہ:۔ میں حیران ہوں کہ علم دوست حضرات کیوں خانقاہی حالات کو ہی بُرا دیکھتے اور کیوں جب ان کو اندر کی پیاس مجبور کرتی ہے تو اس آبِ حیات خانقاہی کے لئے پھر مدارس و مکاتب کے لئے دوڑتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ علم کی دولت تو ہمارے پاس پہلے موجود ہے اس کے لئے پھر کیوں جائیں اور کیوں نہ اس بازار میں جائیں جہاں کی وہ جنس ہے۔ یہ مانا کہ بعض حضرات مدارس و مکاتب کے اندر بھی ایسے ہیں جنہوں نے اس آبِ حیات خانقاہی کی چاشنی کچھ حاصل کی ہے۔ لیکن وہ ایک ماہر حکیم کا درجہ نہیں رکھتے یعنی وہ اس درجہ کے صاحبِ الفان اور صاحبِ عرفان نہیں جیسے اس مرتبۂ خاص کے لئے ہونا چاہیئے۔ یہاں استدلال و قیاس نہیں بلکہ تمام قیاس آرائیوں سے بڑھ کر ع آفتاب آمد دلیل آفتاب کا معاملہ ہے سراسر یقین ہے۔ کسی درجہ کے شک و گمان کا گذر نہیں یہاں دعویٰ نہیں، نفی دعویٰ سے بھی بڑھنا ہے انانیت نہیں بلکہ فنائے انانیت مطلوب و مرغوب کسی امر کے کرنے اور نہ کرنے کے لئے براہین عقلی و نقلی پیش نہیں کئے جاتے بلکہ صرف ایک حکم سے دل و جان مطیع ہو جاتے ہیں اور عمر بھر احکام کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کی سعی و کوشش کی پریشانی سے خلاصی ہو جاتی ہے اور زبان پہ ہوتا ہے (پنجابی) اندر بھی ٹُٹتے تے باہر بھی ٹُتوت باہو کیتھے لبھیندا ہُو۔ یعنی جب اندر باہر سراسر حق کا ظہور ہے تو پھر باہر کہاں سے نکلے میں لوگ اکسیری نظر کے مالک ہوتے ہیں ؏

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

لیکن یاد رہے جب یہ صفت پیدا نہ ہو تو پھر ہمارے نزدیک عرفان حقیقت ایک بے جان معرفت ہو گی جو کسی توحیدی خیال کو پیدا نہیں کر سکتی وہ توحید نہیں ہوتی توحید پرستی ہوتی ہے جیسے آج بعض حضرات جن کو توحیدی علم نصیب نہیں ہوا اور اپنے علمی پندار میں توحید پرستی کی صدا دنیا میں لگاتے پھر رہے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں دیکھتے کہ کیا وجہ ہے کہ اتنی کوشش اتنے پراپیگنڈہ کے باوجود توحید تو کجا بلکہ ان کے وعظ سے متاثر ہو کر کوئی نمازی کیوں نہیں بنتا گناہ کیوں نہیں چھوڑتا۔ غفلتِ دنیا سے کیوں بیدار نہیں ہوتا جیسے دنیا پہلے خوابیدہ تھی ایسے ہی باوجود جھنجلانے کے خوابیدہ ہے آخر کیوں؟ وہ اپنے اندر نظر نہیں ڈالتے کہ کہیں اپنے اندر ہی کچھ نہ ہو اور خالی ڈھول کی طرح صرف آواز ہی آواز نہ ہو اور ایک ذرا سی ٹھیس اور چوٹ پر سارا ڈھول ہی ختم نہ ہو جائے۔

فقیر اور ولی :۔ تصوّف میں فقیر ولی وہ ہے۔ جو کچھ کر کے دکھاوے صرف زبانی دعویٰ صرف معارف سے یہاں تسلّی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے معارف کے ساتھ دنیا کو یقین کا آبِ حیات پلا دے۔ اور وہ آنے جانے والے کے لئے مسیحائی رُوح اپنے اندر رکھتا ہو۔ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ (ترجمہ) میں اندھے اور کوڑھی کو اللہ کے اذن سے اچھا کر دیتا ہوں۔ (پ۳ رکوع ۱۳)

وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ (ترجمہ) میں تمہارے کھانے پینے اور ذخیروں کی خبر دے سکتا ہوں۔ کا کامل نمونہ ہو کر باعثِ ہدایت و رشد ہو۔ اور کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہو۔ وہ خود ہی یقین نہ ہو۔ بلکہ یقین پیدا کرنے والا ہو۔ اور وہ تمام شکوک اپنی ایک نظر پُر اثر سے دُور کر دے۔ یہ نہ کہنا کہ نہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ نہیں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے اور اپنے اندر سب کچھ پایا ہے۔

حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب رح

چودھویں صدی میں مادی دنیا اپنے عروج پر پہنچ گئی اور عقل و استدلال کے سامنے دینی اقتدار آنکھوں اور دلوں سے گر گئے روحانیت کے مضحکے اڑنے لگے دین سراسر استہزا کا ہدف بن گیا اللہ تعالیٰ کے فیض نے جوش کھایا۔ ابر رحمت بن کر پیاسی دنیا کے لئے حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب رح تشریف لائے۔ آپ کچھ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے۔ چوتھی تک تعلیم تھی۔ دینی تعلیم کے کچھ حاصل ہونے کا ڈھب پیدا نہ ہوا۔ فطرت سلیم تھی۔ مزاج توحیدی پایا تھا۔ ایک اللہ کے بندے ولی اللہ امیر طریقت حضرت قبلہ امیر الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کوٹلہ شریف سے عقیدت ہو گئی۔ ذکر و عبادت میں لگ گئے دنیا سے بیزاری ہو گئی۔ خانقاہی زندگی کے اندر داخل ہو گئے یعنی دنیاوی تعلقات سے الگ ہو بیٹھے۔ رات دن اللہ ہو سے واسطہ تھا۔ آخر نور قلب چمکا اور روشن ہوا۔ دنیا آنے لگی۔ لیکن کیا رنگ تھے۔ ایک حجرہ تھا۔ جس کے کواڑ بند رہتے تھے۔ لوگ آئے تو ہنستے آئے۔ الٹے تو روتے۔ دنیا ہیچ در ہیچ ہو گئی اور آخرت سامنے آ گئی۔ چہرہ روشن ہو گیا اور دل زندہ، اللہ ہو اللہ ہو کرنے لگا۔ شکوک گئے یقین آ گیا توحید سے آنکھیں لڑ گئیں۔ رسالت سے شیفتگی پیدا ہو گئی۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد زبان پر آ گیا نور محمدی کے نظارے ہر طرف جلوہ گر ہونے لگے۔

اکا دکا کا معاملہ نہیں۔ روزانہ سینکڑوں آتے اور سینکڑوں جاتے کوئی بدقسمت ازلی خالی جاتا۔ جاہل۔ عالم یکساں فیض اٹھاتے۔ محدثین اور فقہا آپ کے سادہ الفاظ کے سامنے سر ڈال دیتے اور آنکھوں سے پانی برساتے صرف خود دنیا کو ہیچ نہ جانتے تھے۔ بلکہ ہر آدمی کو یہ سبق پڑھا گئے۔ میں خود ایک بار حاضر ہوا۔ پکا مکان بنانے کا خیال تھا۔ فرمایا کہ لقمان کو کسی نے کہا کہ مکان کیوں نہیں بناتے، ایک مٹھی مٹی لے کر چلتے پانی پر ڈال دی اور وہ بہنے لگی

فرمایا کہاں اور کیسے بناؤں دنیا کی ناپائداری کی حقیقت سامنے آگئی اور فنا کا نقشہ آنکھوں میں سما گیا۔ ایک مدت یہی معلوم ہوتا تھا کہ پاؤں قبر میں ہیں۔ ابھی گئے کہ ابھی گئے۔ خدا برا کرے دنیا کا پھر آنکھیں اس سے لڑ گئیں اور پھر اس میں مدہوش ہو گیا۔ اب سمجھ نہیں آتی کہ کیا علاج کروں کیونکہ ہے وہ ہو نیچے تھے۔ وہ اٹھے دِل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔ تاہم جب کبھی پچھلا خیال سامنے آجاتا ہے۔ اور آپ کا چہرہ اور آپ کے پاک دِل کا خیال آجاتا ہے تو آنکھیں سرنگوں ہو جاتی ہیں اور دل ندامت سے بھرپور ہو کر ہچکچانے لگتا ہے۔ نہ عقل کی باتیں تھیں نہ استدلال تھا۔ سراسر آپ کی نظر اکسیر[1] اور آپ کے سینہ و دل مشکوٰۃ فیہا مصباح کی روشنی تھی جو ایک پورے خطۂ پنجاب کو روشن فرما رہی تھی۔ کوئی شہر۔ کوئی گاؤں۔ کوئی بستی ایسی نہ رہی جہاں آپ کے فیض کے روشن آثار دنیا نے نہ دیکھے ہوں۔ چہرے ہیں تو روشن دل ہے تو صاف۔ آنکھیں ہیں تو حیا سے پُر۔ عبادت ہے تو سراسر ذوق۔ درد ہے تو اشتیاق کا روزے ہیں تو اسرار الٰہی کا اظہار۔ اور کشف ہے تو عیانی۔

جاگ بھائی جاگ :۔ اگلے روز ایک دوست سلطان محمود سکندا پدل آگئے۔ کہنے لگے حضور کے پاس چند بار گیا۔ بلا سوچ و معروض آتا جاتا رہا۔ ایک دن حضور فرمانے لگے کہ سلطان محمود! تم آتے جاتے ہو لیکن کبھی تم نے نہیں بتایا کہ کیوں آتے ہو۔ عرض کیا کہ دل اور صرف دل کے لئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میرے دل پر رکھ کر فرمایا "جاگ بھائی جاگ" بس پھر کیا تھا وہ دن گیا آج کا دن آیا نہ دن کو چپ ہے نہ رات کو۔ اب چلنا پھرنا بند ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کیوں منجا پکڑ رکھا ہے کہتا ہوں کہ سانس الٹ گئی۔ آج تم سے اصل حقیقت

---

[1] اک نظارے پیر ترل بالکل صفایاں ہو گیاں
دل اندھیری کوٹھڑی تھی روشنایاں ہو گیاں

کہہ رہا ہوں۔ غرض ایسے دل اور ایسے سینے کی تمثیل مولا کریم نے بیان فرما کر ایک بہت بڑی حقیقت کو بے نقاب کر دیا اور بتلا دیا کہ ایسے دل کوئی معمولی دل نہیں۔ تمام دنیا ایک طرف اور ایسا دل ایک طرف۔ کیونکہ ایسا دل کائنات انسانی کے لئے آب حیات ہے جس سے اخروی زندگی قائم ہوتی ہے۔ دنیاوی زندگی مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیْل ہو کر پہلے سے زیادہ تاباں و درخشاں کیونکہ جب تک یہ جذبہ زندگی پیدا نہ ہو تقویٰ و اخلاص پیدا نہیں ہو سکتے اور آخرت پر ایمان کامل نہیں ہوتا اور دنیا کے لالچ سے انسان باہر نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کہ دنیا کو دنیا بناتی ہے۔ بےشک پیسے سے پیسہ ملتا ہے لیکن دنیا یعنی زندگی سے دنیا نہیں بنتی قرآن حکیم فرماتا ہے۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (پ ۱۶ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۱)۔

ترجمہ: حیات دنیا کے آرام و آسائش کی طرف نظر نہ اٹھائیے جن سے اور دنیا والے نفع اٹھا رہے ہیں تاکہ انہیں ہم اس بارے آزمائیں کیونکہ تیرے رب کا رزق نہایت اچھا بابرکت ہے اور بہت دیر تک باقی رہنے والا ہے۔

قرن اولے کے لوگ باعزت تھے۔ باوقار تھے۔ باحوصلہ تھے۔ کیوں۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے حیات دنیا کو قبلہ و کعبہ نہ بنائے رکھا تھا۔ اور جب سے دنیا نے اس کو اپنا قبلہ و کعبہ خیال کیا ہے کسی بڑے سے بڑے رئیس۔ کسی بڑے سے بڑے امیر اور کسی بڑے سے بڑے حاکم کی ایک پیسہ بھی قیمت نہیں بےشک دنیا کے دل ٹٹول کر دیکھئے زبان سے سب کچھ کہہ دیں گے لیکن اندر سے برابر لعنتیں اور صلواتیں سنا رہے ہوتے ہیں۔

خانقاھی زندگی: - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگیوں کا مطالعہ فرمائیے۔ ان کی زندگیاں کتنی تاباں اور درخشاں تھیں۔ لیکن آپ غور سے دیکھئے اُن میں کس زندگی کی جھلک تھی۔ علمی زندگی کی یا خانقاہی زندگی کی۔ ان کا طرۂ امتیازِ زندگی علم تھا یا درویشی ان کا جذبۂ ایثار، درویشی کی جھلک سے تھا یا علم کی دولت سے۔ بے شک وہ قرآنی علوم کو حاصل کرتے تھے لیکن وہ علم حالی تھا یا قالی؟ مولانا رومؒ ؎ قال را بگذار مرد حال شو۔ وہ قال جس سے حال پیدا ہو وہ برابر حال ہے اسے قال سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ قال وہ ہے جس کے اندر حالی جھلک نہ ہو بے شک ہزاروں لاکھوں عالم ہو گذرے ہیں جن کے قال کے اندر حال تھے اور ایسے لاکھوں صوفی ہو گذرے ہیں جن کے حال میں علم آگیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں سے غلبہ کس کو اور غلبہ پر حکم ہوگا جن پر حال کا قبضہ ہوا وہ خانقاہی بزرگ تھے کیونکہ خانقاہ کے بنیادی اصول ہی حال پیدا کرنے کے لئے ہیں اور عقائد قرآنی کو حال میں ڈھالنے کی کوشش کا نام تصوّف ہے اور فقر ہے، اگر یہ نہ کیا جائے تو وہ علم ہے اور بس، علمی ماحول میں علم بڑھتا ہے حالی ماحول میں حال ترقی کرتا ہے مسلمان کو جتنی حال کی ضرورت ہے اتنی علم کی نہیں۔ آج علم تو آخری منزل پر پہنچ گیا لیکن حال کے گم ہو جانے کی وجہ سے دین فطرت کہاں تک گر گیا اور اس کا نشاۃ ثانیہ کا خیال تک کسی کو نہیں آتا۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰیۙ عَنْ	اے والیِ امت اُس شخص سے اعراض فرمادیں اور
ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ	منہ پھیریں جو ہمارے خیال سے غافل ہے اور اس کا
الدُّنْیَاؕ ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِؕ	مقصود صرف دنیا ہے اور بس یہی اس کا انتہا علم ہے
اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ	بیشک تیرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک
وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی۔	گیا اور وہ خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت پر رہا۔

(پ۲۷ - سورۃ النجم، رکوع ۲، آیت ۲۹ تا ۳۰)

حال وقال عارف رومی کی زبان سے

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

کیا خوب تفسیر آیت بالا کی ہے۔ اگر علم جسمانی آسائش کے لیے ہو تو سانپ ہے جس سے زندگی ختم ہو جائے گی اگر علم کے ذریعہ دل کو روشن کرو گے تو زندگی کا مددگار ہوگا اور حیات ابدی نصیب ہوگی۔

قرآن حکیم کے الفاظ میں حال وقال

قَالَ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ وہ کیونکر کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے قول بلا عمل قال ہے۔

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (پ۲۸ سورہ الصف رکوع ع۱ آیت ۵) جو نہ کیا جائے اُس کا کہنا اللہ کو بڑا ہی ناپسند ہے صوفیا اور تصوف نے اس قرآنی فیصلہ کو انتہا تک پہنچا دیا ہے بلکہ سراسر عمل ہو جاتے ہیں اور جب عمل کا جذبہ انتہا تک پہنچتا ہے تو دل روشن سے بے اختیار قول کے شعلے اٹھتے ہیں جو سراسر حال ہو کر دلوں میں بیٹھ جاتے ہیں نبوت ورسالت میں پہلے حال روشن ہوتا ہے جب حال کی نورانیت روشن ہوتی ہے تو حقائق ومعارف احکام وہدایت بے اختیار قلب نبوت سے شعلہ وار نکلنے شروع ہوتے ہیں جو تمام ہو کر بصورتِ وحی قرآن حکیم، توراۃ، زبور بنتے ہیں۔

حال اور فقر کی اٹھان

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (پ۲۴ سورۃ حم السجدہ آیت ۳۰ رکوع ع۴) پہلے اللہ تعالےٰ کو رب کہتے ہیں اور جانتے ہیں اور پھر اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ رَبُّنَا کہنا آسان ہے لیکن استقامت بڑی مشکل نصیب ہوتی ہے۔

فقر کی اٹھان

کیونکہ استقامت کا نام ایک جذبہ پر قائم ہو جانا ہے۔ جو کسی حال میں دُور نہ ہو۔ تنگی آئے۔ تُرشی آئے۔ دُکھ آئے۔ آرام و راحت ملے۔ خوف (دشمن) آئے یا محبت دوست، غرض کسی بڑے سے بڑے حادثہ پر طبیعت اپنے خیال میں سرمست رہے۔ یہ سراسر روحِ اسلام ہے۔ تمام مجاہدے تمام ریاضتیں، تمام کوششیں صرف اسی جذبہ رَبُّنَا اللّٰہ کو مکمل کرنے کے لئے کی جاتی ہیں لیکن یہ جذبہ توحیدی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک یہ جذبہ دل کو گھیر نہ لے اور اعمال کے اندر رنگ اس کا سامنے نہ آجائے اور تقدیر کا وہ بڑا معمہ جو عقول سے حل نہیں ہو سکتا صاف اور عیاں ہو کر سامنے نہ آجائے اور یقینی طور پر دل کے اندر نہ بیٹھ جائے۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا (پ ۲۷ سورۃ الحدید رکوع ۲ آیت ۲)

زمین میں مصیبت نہیں آتی اور نہ ہی نفوس میں مگر اس مصیبت کے ظاہر ہونے سے پہلے کتاب (لوحِ محفوظ) میں موجود ہے۔

پھر فرماتے ہیں کیوں ایسا کیا گیا لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ۔ نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے بہ پیشِ ہمت ما ہر چہ آمد بُود مہمانے کہ کتنا بھی کچھ کھویا جاوے اس پر غم نہ آئے اور جتنا بھی کچھ آجائے اس پر اتراؤ نہ پیدا ہو۔ غرض استقامت کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے جب ان الفاظِ قرآنی کے مطابق ایک مسلمان دنیاوی غم اور دنیاوی خوشی سے آگے نکل جاتا ہے اور صرف خدائے قدوس کی ذاتِ اقدس سے تمام امیدیں ہو جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

تصوف کا ایک مشہور مقولہ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ یعنی کرامت سے استقامت

بہتر ہے۔ عام صوفیوں کی زبان پر ہے لیکن اس کی حقیقت کو تو وہ ہی پاتا ہے جو رضا بقضاء اللہ کے بلند درجہ پر فائز ہوتا ہے یہ دولت گھڑیوں میں حاصل نہیں ہوتی سالوں اور عمروں کے بعد اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو سمجھا جائے کہ کچھ وقت خرچ نہیں ہوا اور تمام تصوف اور تمام فقر و سلوک اس انتہائی مقصود کے لئے ہے اور بس۔

وِرد و فیوضات سے فیوضات کا نزول اور بشارتیں۔!

جب سالک اس نقطۂ عروج تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم کے فیوضات وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور روحانیت غالب ہو جاتی ہے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (ان پر فرشتے اترتے ہیں) یعنی ملائکہ کی صورتیں آنی شروع ہوتی ہیں اور پھر وہ بشارتیں دینے لگتے ہیں اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کہ تم نہ کوئی خوف کرو اور نہ کوئی غم کھاؤ۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اور جس جنت کا تم سے وعدہ فرمایا گیا اس کی خوش خبری تمہیں ہو۔ وہ فرشتے اور ملائکہ پھر امداد کا وعدہ پیش کرتے ہیں نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ ہم تمہارا ساتھ دنیا اور آخرت میں دیں گے۔ غرض مکالماتِ روحانی شروع ہو جاتے ہیں اور سالک آگے نکلنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مقام دعوت نصیب ہوتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے اسلام کی دعوت اپنی زبانی میرے بندوں کو دی جائے۔

فرماتے ہیں مَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللہِ - اللہ تعالیٰ کی توحید کی جو دعوت دیتا ہے اس سے بڑھ کر کس کا قول (بات چیت) پسندیدہ ہو سکتا ہے اور پھر اپنا عملی نمونہ بھی پیش کرتا ہے وہ عملِ صالحہ (اچھے عمل) کرتا ہے اور ساتھ ہی زبان سے کہتا ہے کہ میں خود مسلمان ہوں - قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ - توحیدیں الگ الگ ہیں لیکن میری توحید سراسر اسلامی ہے جس کی میں دعوت دیتا ہوں یعنی مسلمان ظاہر و باطن ہو کر دعوت دیتا ہوں -

بدی کا بدلہ نیکی

عام طور پر برائی کا بدلہ برائی فطرتاً مقرر ہے اور جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا لیکن جب منصب ولایت و امامت پر سالک پہنچتا ہے تو یہ قانونِ فطرتی اس کی بلند فطرت کے مطابق اور مقامِ دعوت کی خصوصیت سے بدل دیا جاتا ہے - اب بدی کا بدلہ بدی نہ ہو گا بلکہ سراسر نیکی لَا یَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ نیکی بدی برابر نہیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ لیکن تم اچھی خصلت سے اس بدی کو دفع کر دو اس بدی کا بدلہ نیکی سے دو - مقامِ دعوت تو برائی کا بدلہ نیکی ہوتا ہے -

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ پ ۲۴ سورہ حم السجدہ رکوع ۵ آیت ۳۴ (ترجمہ) پس جس شخص کے درمیان اور تمہارے دشمنی ہو (پھر) گویا کہ وہ جانثار دوست ہے تاکہ اچانک (دشمنی) محبت سے بدل جاوے -

اس کے بعد اس درجہ بلند پر ارشاد ہوتا ہے وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ - سورہ حم السجدہ آیت ۳۵ - (ترجمہ) اور اس کی تعلیم ہر کہ و مہ کو نہیں دی جاتی

(شوریٰ آیت ۴۰)

بلکہ جو بہت بڑے صابر ہوتے ہیں اور وہ جن کو بہت بڑا حصہ قربِ الٰہی کا حاصل ہوتا ہے۔

(حٰم السجدہ رکوع ۵)

تکمیلِ انسانی

انسانی تکمیل کا یہ آخری درجہ ہے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دیا جاوے اور دشمن سے اب ایسا سلوک کیا جاوے کہ وہ دوست ہو جاوے لیکن فطرتِ انسانی کمزور ہے اس لئے خالقِ فطرت فرماتے ہیں کہ کوئی وسوسہ شیطان کسی برائی کا ڈال دے تو فوری طور پہ بارگاہِ الٰہی سے پناہ لیں اور اس کی طرف التجا کریں اے اللہ العالمین شیطان کے دھوکے سے بچائیو۔ یہ استعاذہ، پناہ ایسا جادو ہے کہ انسان کو ہر برائی سے روکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کام کرنے سے پہلے استعاذہ پڑھنے کی تعلیم دی گئی۔

خانقاہیت

یہ تعلیم صرف پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مولیٰ کریم نے فطرتِ انسانی کے مطابق خانقاہیت کی داغ بیل خود ڈال دی کہ ایسا مرکز قائم کیا جاوے کہ جس کا صدر دل روشن ہو جس کی روشنی صرف اپنے لئے ہی نہ ہو بلکہ ایک دنیا کو روشن کرنے کے لئے کافی ہو۔ پھر وہ ایک حجرے کے اندر خلوت نشین ہو کر پاک طینت انسانوں کو ذکر و فکر اور عبادت، ریاضت کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کے خوف اور محبت سے اُن کے دلوں کو بھر دے اور اپنے عکس سے قال سے گذر کر حال تک پہنچا دے اور ان کو اپنے جیسے سینہ و دِل روشن بنا کر خلق اللہ کے لئے ہدایت کے نمونے دنیا میں پیش کرے یہ ہے خانقاہیت۔

یہ خانقاہیت آج شروع نہیں ہوئی بلکہ جیسے پہلے لکھا گیا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ایک بڑی اسلامی خانقاہ کے صدر اوّل تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اپنی اپنی فطری طبائع کے مطابق کامل و مکمل ہو کر دنیائے عالم میں تکمیلِ انسانی کے نمونہ ہو

کو روشن ہوئے اور برابر یہ دور آج تک خانقاہیت کا چلا آیا۔ خصوصاً جب اسلام کے اندر سلاطین منصب خلافت پر غالب ہو گئے تو خانقاہوں کی زیادہ واضح ضرورت پیش آگئی اور پوری رسم و رسوم کی پابندی کے ساتھ نمودار ہو گئیں۔ جنیدؒ۔ بایزیدؒ ایسی خانقاہوں کے سرتاج تھے اجمیری سرہندی ہندوستانی خانقاہوں کے اندر چمکے ایسی خانقاہوں پر نہ تو اسلامی نقطۂ نگاہ سے اعتراض ہو سکتا نہ اعتراض کے قابل۔ بلکہ اگر اپنی نافہمی یا اپنے تعصب کی وجہ کوئی کرتا ہے تو وہ قابلِ خیال نہیں۔

تکیئے

لیکن جب خانقاہیت کا حال، قال میں بدل جائے اور شہ نشین ہدایت کے بعد ایسے لوگ اس کے مسند پر آدھمکیں جو اس مسند بلند پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوتے تو اس وقت خانقاہ اور اس کے رہنے والوں کے حال گرنے شروع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک جذبہ آہستہ آہستہ فنا ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ تمام حال قال ہو جاتا اور توحید حقیقی گم ہو کر توحید لفظی پر زور خرچ ہونا شروع ہو جاتا ہے اس وقت وُہ خانقاہ تکیہ کی صورت میں بدل جاتی ہے اور دنیا کے خرافات جمع ہو جاتے ہیں اور توحیدی جذبہ نفس پرستی کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اس وقت ہدایت کجا بلکہ ضلالت کا مرکز تکیہ ہو جاتا ہے ایسے تکیوں پر جتنے اعتراض کیے جاویں کم، اور جتنی اس کے مٹانے کے لیئے کوشش کی جائے تھوڑی مگر ان تکیوں کو دیکھ کر اصل خانقاہیت پر اعتراض کرنا خود اسلام پر اعتراض کرنا ہے۔

جسے کوئی معتدل مزاج پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ مراکز خانقاہیت ہی تھے جن سے روحِ اسلام آج تک زندہ رہی اب جبکہ ایسی خانقاہیں کم ہوتی جاتی ہیں اور ایسے صاحب دل کم ہونے جاتے ہیں تو دین بھی روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے گو اس کے لیئے علمی مدارس اور علمی کتابیں موجود ہیں۔

تصوّف علم نہیں جیسے پہلے لکھا گیا ہے کہ صوفیا کے نزدیک تصوّف کوئی علمی چیز نہیں جس سے تصوّف کے مسائل حل ہوتے ہوں اور جس سے صوفی بننے کے طریقوں کا پتہ چلتا ہو یا جس سے حال اور کیفیات کو حرفی رنگ میں ظاہر کیا گیا ہو بلکہ یہ علم تصوّف ہے خود تصوّف وہی کچھ ہے کہ سراسر حال ہو اور جو قال ہو وہ بھی حال سے پیدا ہوا ہو۔

مدارجِ تصوّف یا مدارجِ تربیتِ مرید جب کوئی نیک روح اپنے تزکیہ کے لئے کسی صاحبِ ولایت کی خدمت میں پہنچتا ہے اور اپنا تعلق قائم کرتا ہے تو اس تعلق کو بیعت کی رسم سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس وقت مرید کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

سالک لیکن جب وہ تزکیۂ نفس کے لئے اپنی کوششیں بروئے کار شروع کر دیتا ہے۔ تو سالک کہلاتا ہے۔

صوفی اور جب سالک اپنے آپ کو تزکیۂ کے ذریعہ عیوبِ نفس سے پاک کر لیتا ہے تو صوفی ہو جاتا ہے۔

مجاز اور جب صوفی ترقی کرتا کرتا فنائے انا کی دولت سے مشرف ہوتا ہے تو مجاز ہوتا ہے جسے صاحبِ ولایت اجازتِ خاص سے بعض سالکین کی تربیت کے لئے مقرر کرتا ہے۔

خلیفہ لیکن جب یہ مجاز اپنی تکمیل کر لیتا ہے اور کامل ارشاد کی قوت کو مرشد دیکھتا ہے تو اُسے خلیفہ کی خلعت سے نوازتا ہے اور ہر تبدیلی درجہ کو کسی ظاہری رسم سے ادا کیا جاتا ہے۔ ٹوپی سے لے کر دستار اور خلعت اور سجادہ تک سالک کو عنایت ہوتا

ہے مرشد یا صاحبِ ولایت کی تربیت یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

تربیت ذاتِ اقدس اور اُس کے بعد خود ذاتِ اقدس اپنے خاص نبیے کی تربیت اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور براہِ راست الہامات اور کشف اور رویائے صادقہ سے تربیت شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تمام مراحل بشریت سے نکل کر جیسے پہلے لکھا ہے سراسر مولےٰ کریم ہو جاتا ہے اور "بِی یَسْمَعُ وَبِی یُبْصِرُ" مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے، کا کامل نمونہ ہو جاتا ہے اور حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے اس وقت شاہ ولایت کی نوری خلعت اور قبولیتِ عامہ سے سرفرازی بخشی جاتی ہے اور دنیا کے منہ اُس کی طرف پھیر دئیے جاتے ہیں اور چھوٹے بڑے کا مرکزِ توجہ ہو جاتا ہے اور ایک دنیا اس سے فیض ظاہری و باطنی اٹھاتی ہے اور نیکی بدی کا مالک خیال کیا جاتا ہے اور اس کی دُعا سے شفا حاصل ہوتی ہے اور اس کی بد دُعا سے بدبختی آگھرتی ہے۔

قطب اس کے بعد روح کی ترقی اپنے انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور وسعتِ قلبی کی روشنی ایک خطہ سے بڑھ کر دوسرے خطۂ زمین تک پہنچ جاتی ہے اور اسے قطب کے لقب سے دنیا پکارتی ہے جیسے حضرت فریدالدینؒ حضرت محبوب الٰہی نظام الدینؒ جیسے قطب کے معنی میخ کے ہیں، کہ وہ روحانی مرکز ہوتا ہے اور کائنات کا محور رہتا ہے۔

غوث اسی طرح غوث کے معنی فریاد رس کے ہیں کہ انسانی دنیا کے اندر روحانی امداد کرتا ہے اور لوگ اس سے ظاہری و باطنی امداد بدرجہ اتم حاصل کرتے ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کے مصداق ہو جاتا ہے۔ جو زبان سے نکلے یا جس کی طرف ارادہ پھرے وہ بحکمِ الٰہی فوراً ہو جاتا ہے یہ سراسر حضرت رب العزت کا نوری عکس ہوتا ہے۔ غوث الاعظم حضرت پیر دستگیر عبدالقادر جیلانیؒ

پہلے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ اپنے خیال میں تو شاید یہ درجہ اُن کو ہی امت میں ملا ہے اور
دوسرے اولیائے کرام کو بطور عزت اس لقب سے پکارا جاتا ہے۔

غوث و قطب کے الفاظ تو قرآن حکیم میں کسی منصب الٰہی کے اظہار کے لئے نہیں آتے
جیسے نبی و رسل کے الفاظ آتے ہیں لیکن ان کے کمالات کے ذکار سے تو قرآن حکیم خاموش نہیں۔
موسیٰؑ جیسے اولوالعزم رسول جس کے پاس جا کر حاضر ہوں اور درخواست کریں کہ مجھے رشد کی
تعلیم دی جائے اور آپ کے تابع ہو کر چلوں گا اور وہ کہے کہ تم میرے ساتھ خاموش رہ نہیں
سکتے، بھلا کیسے خاموش میرے ساتھ چلو گے جب تک اصل حقیقت سے تم باخبر نہ ہو گے۔ آخر چلتے
ہیں اور کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو وہ بزرگ (مرشد) کشتی میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کہتے
ہیں کہ ہمیں غرق کرنے کے لئے تم نے سوراخ کر دیا (بھئی) تم نے عجیب کام کر دیا بزرگ نے
پھر وہی جواب دیا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر سے نہ چل سکو گے موسیٰ علیہ السلام پھر
عرض کرتے ہیں میری بھول پر گرفت نہ فرمائیے اور نہ مجھے زیادہ پریشان کیجئے جو ہوا سو ہوا۔ اب نہ
ہو گا غرض اسی طرح بچے کو قتل کیا اور ایسے ہی دیوار گرادی جس پر موسیٰ علیہ السلام نے واویلا
کیا اور خاموش نہ رہ سکے اس پر صاحب رشد نے فرمایا کہ اب تیری میری جدائی کے سوا چارہ
نہیں لیکن تمہیں اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں چنانچہ تمام حقائق سے آگاہ کر دیا اور فرما دیا
وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ پ۱۶ سورۃ کہف آیت ۸۲ کہ میں نے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ حکم الٰہی
سے کیا ہے اب غور فرمائیے کہ ایسے صاحب کمال اور ایسے صاحب رشد کو جس سے موسیٰؑ
جیسے اولوالعزم کو تعلیم دلائی جائے اور ایسے صاحب راز دار حریم قدوسی کو جس کے علم کے سامنے
موسیٰ علیہ السلام کا علم مقابلہ پر نہ اتر سکے اگر قطب کے نوری لقب سے نہ پکارا جاوے تو کس
لفظ سے ان کو بلایا جاوے۔ حضرت سلیمانؑ نبی تھے ساتھ ہی سلطنت بھی عنایت ہوئی تھی

اور سلطنت کے ساتھ علم بھی دیا گیا تھا اور پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔
لیکن جب بلقیس شاہزادی کو طلب کیا گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا کہ کیا
اچھا ہو کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں آجاوے اور وہ دیکھ کر حیران رہ جاوے تو
آپ نے سرداروں سے کہا کون ہے کہ اس شہزادی کے آنے سے پہلے اس کا تخت میرے
پاس لائے۔ تو پہلے ایک جن نے کہا کہ آپ کے اٹھنے سے پہلے لاؤں گا لیکن ایک دوسرے
صاحبِ علم (اہلِ دل) نے کہا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لاؤں گا لیکن جب
نظر اٹھی تو تخت موجود تھا اور کہہ دیا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے غور فرمائیے ایسے پاک
نفس صاحبِ کرامت کو اگر غوث کہہ دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے۔ الفاظ گو قرآن میں نہیں
آئے لیکن معانی میں تو برابر ہو رہے ہیں۔ کاش مسلمان قرآن حکیم کو حال و قال کا مجموعہ سمجھ کر
پڑھتے کہ ظاہر و باطن کے برکات و انوار دلوں پر نازل ہو کر ہمارے دل کو کھول دیتے اور
روشن کر دیتے۔

چند حقائق

حضرت خضرؑ اور حضرت موسےٰؑ کے قصے سے کئی حقائق کھل جاتے ہیں
اور کئی الجھنیں شکّی دلوں سے نکل جاتی ہیں اوّل جو صاحبِ دل
حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جائے اُسے ظاہر کی پرواہ کئے بغیر اپنے علم کے مطابق ظاہر کے
برخلاف عمل کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے (وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ)
میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔

دوم بڑوں کو چھوٹوں سے علم سیکھنے کی ہدایت ہوتی ہے نبی کی شان کے برخلاف
نہیں کہ وہ اُمت کے کسی فرد سے دینی امور میں کچھ تربیت پائے۔ جیسے بادشاہ باوجود
شاہ ہونے کے بعض سلطنت کے اُمور کی تربیت اپنے وزراء سے اور واقف کاروں سے

حاصل کرے لیکن پھر بھی بادشاہ۔ بادشاہ اور اہلکار اہلکار اور وزیر وزیر ہی ہے رتبہ اور حکم شاہ کا ہی رہے گا۔ شریعت موسوی ہی رہی۔ خواہ خضری تعلیم موسیٰؑ نے حاصل بھی اُن سے کی ہے۔

سوئم شرعی قانون ظاہر کے لئے ہوتے ہیں تکوینی قانون ان کے برخلاف بعض وقت نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ بھی شریعتِ ظاہر کے معاون ہوتے ہیں۔ جیسے کہ قصہ مذکور سے آپ دیکھ چکے۔ اس لئے صاحبِ شریعت کو برداشت کا حوصلہ ہونا چاہیئے۔ اسی حوصلہ کے پیدا کرنے کے لئے تعلیمِ خضری دلوائی گئی تھی۔ تاکہ نظر ظاہر سے نکل کر باطن اور حقیقت تک پہنچ جاوے اور باطن کو ہر موقع پر نگاہ رکھا جائے۔

استمداد و کرامت حضرت سلیمانؑ کے اس کہنے پر کہ کون ہے تم سے کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت میرے سامنے لائے قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا مسئلہ استمداد حل ہو جاتا ہے ایک نبی اپنے امتیوں سے ایک روحانی امداد کا طالب ہوتا ہے اور وہ ان کے خیال کے مطابق اپنے روحانی تصرف سے ایک آن میں تخت پیش کر دیتا ہے یہ کرامت نہیں تو کیا ہے جس سے آج علم والے گھبراتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں، حقیقتاً کرامت ہی ایک ایسا شان ولی اللہ کے لئے ہے کہ ظاہری لوگ دیکھ کر اس پر ایمان لا سکتے ہیں اور ان کی عقلیں حیران ہو کر اس کے تابع ہو جاتی ہیں پھر اپنا اپنا کام۔ سلیمانؑ کی اپنی ہمت تو نہ اٹھی ایک خادم کی ہمت نے وہ بوجھ بصد خوشی اٹھالیا جسے وہ نہ اٹھا سکے

استدراج بیشک اس کے مقابلے میں استدراج بھی ہے لیکن معجزہ کے مقابلہ میں بھی تو جادو تھا جس نے موسویؑ معجزات کا مقابلہ کیا تھا۔ آخر حق کی فتح ہوتی ہے کرامت ہدایت کا باعث ہوتی ہے اور استدراج ضلالت کا راستہ دکھاتا ہے کسی صاحبِ کرامت سے ہدایت و ارشاد دنیا کو حاصل ہو رہا ہو تو پھر اسے کرامت سے تعبیر کرنا واجب۔ ہاں!

ضلالت پیدا ہو رہی ہو تو استدراج کہہ کر اس سے عوام و خواص کو الگ رکھنا فرض۔ لیکن آج دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانک کے اصل حقیقت کو ضائع کیا جا رہا ہے۔

ادارۂ تصوف

دیکھئے

مادی دنیا روحی دنیا سے اگرچہ بہت کچھ دور ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ تاہم سکون اور طمانیت قلبی کی جستجو میں پریشان ہے اور بہت سی الجھنیں اس راہ میں علمی طور پر پیدا کر دی گئی ہیں۔

تصوف و فقر سراسر سکون ہے۔ اور ہر پریشان حال کو سکون کی دعوت دیتا ہے۔ اس لئے عام طور پر طبیعتیں اہل تصوف اور تصوف کے مطالعہ کی پیاس رکھتی ہیں۔

لیکن موجودہ وقت میں کوئی ڈھنگ سے علمی مقالہ تصوف پر پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔

اس صورت پریشان حالی کو دیکھتے ہوئے چند احباب نے یہ ادارہ قائم کر دیا ہے۔ تاکہ اس سے بنیادی اور بلند پایہ مضامین اور مقالات شائع کرکے دعوت فکر کا سامان مہیا کیا جاوے۔

ادارہ کو وسعت دینے کے لئے اہل فکر و نظر کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ادارہ کے ارکان میں داخل ہو کر ہماری امداد کریں۔ مستقل ارکان کے نام کا رجسٹر ہونا ضروری ہے۔ شائع کردہ مقالات کی اطلاع دی جائے گی۔ چندہ ممبری حسب طبیعت ہے۔

انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفیٰ

سیرت سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ ہر مصنف کا اپنا اپنا ایک نظریہ ہے۔ جس کے پیش نظر سیرت کا باغ سجایا گیا۔ اور عام طور پر حضور سرور دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی عملی زندگی کو پیش کیا گیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم انقلاب دنیا میں قائم فرمایا۔ اس کی طاقت و روح کیا تھی۔ رسالت اور نبوت کیا ہے۔ اور ان کے انوار کس طرح انسانی قلوب کو مسخر کرتے ہیں۔ اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر کے خالق مطلق کی طرف کس طرح متوجہ کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو بہت کم پیش کیا گیا۔ کیونکہ یہ عظیم کام صاحب حال بزرگوں کا ہے۔ اور بلند احوال جب پیدا ہو جائیں تو قلم اپنا کام چھوڑ دیتا ہے۔

ع کار زاکر خرشد جز رشش بازنیامد

اس لئے عموماً یہ میدان خالی رہا ہے۔ اس آخری دور میں اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے واقف رموز شریعت و طریقت۔ کاشف اسرار حقیقت و معرفت صاحب العلم والفضل جناب مولانا حاجی فضل احمد صاحب مدظلہٗ کو منتخب فرمایا۔ سیرت پر جو بہترین مواد ہے وہ کتاب کے مطالعہ سے محسوس کریں گے۔ کہ تاثیرات سے آپ کا سینہ منور ہو رہا ہے۔ جلد اول تیار ہے۔ آپ انوار الہدیٰ کا مطالعہ کریں شاید کہ دل کی اجڑی بستی آباد ہو جاوے۔

منجانب

مہتمم ادارۂ تصوف نظام بلڈنگ، موہنی روڈ۔ لاہور

(گلزار عالم پریس لاہور)

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	داہ	وار
۳	۱۳		اور بخشش ہے اللہ کی طرف سے اور رضامندی
۷	۶	(ا)	ع۔ا
۱۶			اقبال کے تینوں اشعار اکھٹے پڑھے جائیں
۲۰	۱۹	مخا	مخالفی
۲۳	۱۹	اسراہ	اسرار
۲۵	۱۰	با یزید	با یزید
۳۵	۳	جاہند	جانب
۲۸	۱۱	زیر نظر کے	زیر نظر
۲۸	۱۹	وزر لذین	وذر الذین
۳۰	۱	یسعنی و فیہ	یسعنی فیہ
۳۱	۶	یکار	یکاد
۳۱	۱۳	لا تلھیھم	لا تلھیھم
۳۲	۱۱	بطور مجاز	بطور مجاز
۳۸	۹	ویھڑا ہو میرا خالی تے مرزا آن وڑے	ویڑا ہو وم خالی متاں مرزا آن وڑے
۳۸	۱۳	ہاتے ھیں	ہاتے ہوں
۴۱	۳	اقتدار	اقذار
۴۸		شروع میں یہ آیت ہے	من احسن قولا ممن دعی الی اللہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین پارۂ ۲۴ سورہ حم سجدہ
۵۱	۱۵	مقدر	مقرر
۵۳	۱۲	دیوار گرا دی	دیوار اٹھا دی

انقلاب الحقیقت فی التصوف والطریقت

الموذک بہ

دستور تصوف

تصوف پر موجودہ زمانے میں کوئی ٹھوس کتاب نہیں لکھی گئی - سابقین کی کتابوں کے تراجم اور انکی زندگی کے حالات ہیں جو نئے نئے رنگ میں پیش کئے جاتے ہیں - لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ ہر زمانے میں ہر طرح کی ہدایت کا سامان مہیا فرماتا ہے - تصوف کے احوال و انوار جو ہدایت کی جان ہیں - اس آخری دور میں ان کا تفصیلی ذکر نہ ہوتا یہ ممکن نہ تھا -

الحمدللہ کے نئے اسلوب سے تصوف کی تمام باریکیاں اور سالک کے ابتدا سے لیکر انتہا تک کے تمام احوال :- شوق - تلاش و جستجو - مرشد کامل کی شناخت اور یافت - تربیت اور خطرات سے آگاہی اور نتائج تربیت کشف و کرامات اور مقبولیت عامہ وغیرہ کو قطب العالم محبوب الہی حضرت مرشدنا صاحبزادہ محمد عمر صاحب مدظلہ نے نہایت عمدہ پیرایہ میں لکھا ہے بظاہر یہ آپ بیتی معلوم ہوتی ہے - یا پھر غوث زماں حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃاللہ علیہ کے حالات زندگی - لیکن فی الحقیقت اس پردے میں حقائق الہامیہ بول رہے ہیں اور ایک طالب مولا کے لئے ساری زندگی کا دستور العمل آسان اور سہیل عبارت میں اور نہایت دلچسپ پیرائے میں موجود ہے -

کتاب کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد میں تربیت سالک کا تفصیلی ذکر ہے اور دوسری جلد میں تربیت کا مکمل بیان ہے - کتاب ختم ہو چکی تھی ادارہ تصوف اس اکسیر اعظم کو دوبارہ شائع کر رہا ہے - انشا اللہ عنقریب شائقین اور طالبین ملاحظہ فرماسکینگے -

منجانب :-

ادارۂ تصوف نظام بلڈنگ - موہنی روڈ لاہور